صحافت

صحافت کی تعریف :

صحافت خبر ہے' اطلاع ہے' جانکاری ہے'۔ صحافت عوام کے لئے عوام کے بارے میں تخلیق کیا گیا مواد ہے۔ یہ دن بھر کے واقعات کو تحریر میں نکھار کر آواز میں سجا کر تصویر میں سمو کر انسان کی اس خواہش کی تکمیل کرتی ہے جس کے تحت وہ ہر نئی بات جاننے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

لیکن صحافت صرف اطلاع ہی فراہم نہیں کراتی بلکہ یہ کسی مسئلے پر رائے عامہ کی تفسیر و تفصیل بھی پیش کرتی ہے۔ اس کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرنے یا اسے متاثر کرنے کا بھی کام لیا جاتا ہے۔ یہ بدلتے ہوئے حالات پر تبصرہ کر کے لوگوں کو آئے دن کی سرگرمیوں سے باخبر بھی رکھتی ہے۔ خبروں کی بنیاد پر مستقبل کی پیشن گوئی بھی کرتی ہے۔ یہ سماجی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات و حالات کی بناء پر جو رائے قائم کرتی ہے وہ سماجی زندگی کی تعمیری کوششوں کو متاثر کرتی ہے لہذا صحافت کی اس تعریف کو بڑی حد تک جامع اور درست کہا جاسکتا ہے کہ

''صحافت جدید وسائل کے ذریعے عوامی معلومات رائے
عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے''

لفظ ''صحافت'' عربی زبان کے لفظ صحف سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی صفحہ، کتاب یا رسالے کے ہیں۔ اردو دائرۃ الا لمعارف اسلامیہ کے مطابق صحیفہ کے لغوی معنی وہ چیز ہے جس پر لکھا جاسکے۔ اسی مناسبت سے ورق کی ایک جانب یعنی صفحہ کو بھی صحیفہ کہتے ہیں۔ جدید عربی میں صحیفہ بمعنی جریدہ اور اخبار بھی ہے۔ فیروز اللغات میں صحیفہ کے معنی کتاب، رسالہ، ورق، لکھا ہوا، صفحہ، مقدس کتاب درج ہیں۔

عبدالسلام خورشید ''فن صحافت'' میں رقم طراز ہیں:

''صحیفے سے مراد ایسا مطبوعہ مواد ہے جو مقررہ وقفے کے بعد شائع ہوتا ہے چنانچہ تمام اخبارات ورسائل صحیفے ہیں، اور جو لوگ اس کی ترتیب وتحسین اور تحریر سے وابستہ ہیں انہیں صحافی کہا جاتا ہے، اور ان کے پیشے کو صحافت کا نام دیا گیا ہے''1

صحافت معاشرے کی بہتر تربیت بھی کرتی ہے انتظام دامن کے قیام میں مدد بھی دیتی ہے معاشرے کی مختلف اقدار کے تحفظ میں معاون بھی ہوتی ہے اور عوامی رجحانات کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عوام کے حقوق کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

صحافت کی تعریف میں یہ بات بطور خاص شامل ہے کہ جو کچھ دنیا بھر میں ہو رہا ہے اگر وہ لوگوں کی دل چسپی جانکاری اور جوش پیدا کرنے کے لائق ہے تو اسے لوگوں تک پہنچایا جائے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر صحافی کا یہ فرض بھی ہو جاتا ہے کہ کسی حادثے کی اصل وجہ کیا تھی، حادثہ کس طرح اور کیوں ہوا۔ مستقبل میں اس کا کیا اثر ہوگا جیسے سوالوں پر بھی قارئین کو جانکاری فراہم کرائے۔ میتھو آرنلڈ نے صحافت کو جلدی میں لکھا گیا ادب کہا تھا (JOURNALISM IS LITERATURE BUT IN HURRY) ہوسکتا ہے یہ تعریف بہت سے لوگوں کے لئے قابل قبول نہ ہو۔ کیونکہ لفظ عجلت میں پوشیدہ تحقیری عنصر بالکل پوشیدہ بھی نہیں۔ اور اس امکان سے بھی یکسر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجلت میں لکھی گئی تحریریں بھی معیاری ہوسکتی ہیں۔ پھر تمام صحافتی ادب عجلت میں لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ صحافت میں بھی کہیں کہیں ایسے مقام آتے ہیں جہاں ادب اور صحافت ایک ہو جاتے ہیں۔ پھر اخبارات میں لکھے گئے کالم اور مضامین عموماً ادیبوں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ رسالوں میں تو زیادہ تر ادیب ہی لکھتے ہیں لہذا صحافت اور ادب کے درمیان کوئی سیدھی لکیر نہیں کھینچی جاسکتی ہے صحافت اور ادب کے درمیان اگر کوئی باریک خط تفریق کھینچا جا سکتا ہے تو یہ کہ ادبی تحریروں کی تخلیق کے لئے وقت کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ جبکہ صحافتی تحریروں کے لئے بہر حال وقت کی پابندی رہتی ہے صحافی کسی واقعے یا حادثے کو بیان کرتے ہوئے معاشرے کی بات کو قارئین

---

1 عبدالسلام خورشید، فن صحافت، مکتبہ کاروان، لاہور، 1966ء، ص 136

کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب کہ ادبی تحریروں میں ادیب کی ذاتی فکر بنیاد ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ صحافتی تحریروں کی زندگی مختصر ہوتی ہے لیکن ادبی تخلیقات ایک لمبے عرصے تک زندہ رہ سکتی ہیں اور آنے والی متعدد نسلیں ان سے استفادہ کر سکتی ہیں۔ مگر ادب کے قاری محدود ہوتے ہیں اس لئے اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے، لیکن صحافت کی وسعت اور دائرہ اثر لامحدود ہے۔

آج دنیا بھر میں صحافت کو ''مملکت کے چوتھے ستون'' کے امتیازی لقب سے موسوم کیا جاتا ہے سب سے پہلے یہ لقب برطانوی پارلیمان لارڈ میکالے نے اخباری نامہ نگاروں کو دیا تھا کسی بھی ملک میں سب سے نمایاں مقام حکمراں طبقے کا ہوتا ہے دوسرا دینی پیشواؤں کا تیسرا عوام الناس کا اور چوتھا صحافت کو دیا گیا۔

کسی بھی جمہوری نظام حکومت میں تین ادارے ضروری ہوتے ہیں ۔ 1. پارلیمنٹ 2. شعبہ انتظامیہ 3. اور عدلیہ ان تین اداروں کے بغیر کسی جمہوری حکومت کا سرگرم عمل رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور اب محسوس کیا گیا کہ ان تینوں کے ساتھ صحافت کا رہنا بھی ضروری ہے صحافت نہ ہو تو عوام کو کیسے پتہ چلے گا کہ پارلیمنٹ میں کیا قانون بن رہے ہیں ان کا پس منظر کیا ہے یا ان کے کیا، منفی و مثبت اثرات ہو سکتے ہیں۔ انتظامیہ پر صحافیوں کی کڑی نظر نہ ہو تو افسران من مانی کرنا شروع کر دیں، عدلیہ کی منصفانہ سرگرمیاں صحافت کے ذریعے بہ آسانی عوام تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جمہوریت میں صحافت کی کیا اہمیت ہے۔ صحافت کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس کی آزادی جمہوریت کی کامیابی کی ضامن ہوتی ہے۔ صحافت کو یہ اعزاز اس لئے بھی دیا گیا کہ وہ ایک مستعد پہرے دار کی طرح سماج کے ہر طبقے کی آواز حکمرانوں اور دوسرے لوگوں تک غیر جانب دارانہ طریقے سے پہنچاتی رہی ہے۔

صحافت کے بارے میں ابتدا سے ہی مختلف نظریے گشت کرتے رہے ہیں کچھ اسے صرف تجارت یا پیشے کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر بہتوں کا ماننا ہے کہ کسی اعلیٰ مقصد کو نصب العین بنا کر صحافت کے میدان میں قدم جمائے رہنا بہر حال لائق احترام ہے جس

کے تحت صحافی سماج کو مستعد اور چوکنا رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ایسی صحافت کی گواہی کے لئے جنگ آزادی کی تاریخ کافی ہے کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے، اور یہ خیال آج کل کچھ زیادہ ہی حاوی ہوتا جا رہا ہے، کہ صحافی کو وہی دینا چاہئے جو اس کے قارئین کی مانگ ہو۔ یہ بات ان لوگوں سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ صحافت کا فرض سچائی کو بے نقاب کرنا ہے۔ لوگوں تک وہ سچ پہنچاؤ جس کا جاننا ان کے لئے ضروری ہے۔

حالانکہ سچ بولنا جہاں صحافی کا مذہب ہونا چاہئے وہیں سچ بولنے کی چھوٹ سرکار کی طرف سے بھی ہونی چاہئے، اسی چھوٹ کا نام پریس کی آزادی ہے۔ جو دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں کڑی جدو جہد کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ شروع شروع میں ان ملکوں کے حکمرانوں نے پریس پر زبردست پابندیاں عائد کر رکھی تھیں انھوں نے صحافت کے ابتدائی دور میں وہ باتیں ہرگز نہیں چھپنے دیں جس سے ان کے عمل وارادے کی نقاب کشائی ہوتی تھی۔ شاید وہ بائیبل کے اس قول کی صداقت سے واقف تھے کہ

''سچ تمھیں آزاد اور نڈر بنائے گا''

یہ بات بالکل درست ہے کہ جس سماج میں سچ کہنے کا اختیار نہیں ہوگا اس میں کسی طرح کی آزادی نصیب نہیں ہو سکتی اس بات کو ترقی یافتہ ملکوں نے بہت پہلے سمجھ لیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے آئین میں جو پہلی ترمیم ہوئی وہ پریس کی آزادی کے لئے تھی اس اہم ترمیم میں کہا گیا تھا کہ اخباروں کی آزادی پر پابندی لگانے کا اختیار امریکی کانگریس کو نہیں ہوگا۔

حالانکہ آزادی اور اختیارات کے ساتھ فرض اور ذمہ داری ہمیشہ سے منسلک رہی ہے اگر کسی کو کوئی اختیار ملتا ہے تو اس کے کچھ فرائض بھی متعین ہو جاتے ہیں۔ صحافت یا صحافی جب مکمل آزادی حاصل کرتا ہے تو وہ گویا بہت سی ذمہ داریاں بھی قبول کر لیتا ہے۔ جس سے وہ آزادی کا صحیح حامل ہو سکے۔ لہذا اس کی ذمہ داریوں میں پہلی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو۔ خود کفیل ہو۔ جو پریس اقتصادی طور پر آزاد نہیں ہوگا۔ وہ اپنے کام کو آزادی سے کیسے انجام دے سکے گا۔ 1841ء سے 1877ء تک لندن سے نکلنے والے

اخبار The Times کے عالمی شہرت یافتہ اڈیٹر جان تھیڈس ڈیلین نے لکھا ہے کہ پوری آزادی کے ساتھ کوئی اخبار اسی وقت کام کر سکتا ہے کہ جب وہ کسی سیاسی پارٹی یا حکمرانون سے کسی مجبوری کی وجہ سے نہ منسلک ہو۔

صحافت کے فرائض میں ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ سے واقعات اور حکمرانوں کے اہم فیصلوں کی ٹھیک ٹھیک جانکاری جلد سے جلد حاصل کرے اور اسے فوراً عوام تک پہنچائے جو اخبارات سرکار اور دوسرے اداروں کی سرگرمیوں سے پردہ نہیں اٹھا سکتے وہ اپنے وجود کو عزت کے ساتھ زیادہ دنوں برقرار نہیں رکھ سکتے۔ پریس کا مذہب ہے بولنا۔ سیاست داں خاموش رہ سکتا ہے مگر پریس نہیں۔

صحافی کا رول تاریخ نگار کی طرح کا ہے۔ جو صرف سچ کی تلاش میں رہتا ہے اور مستقبل کے لئے سچے واقعات چھوڑ جاتا ہے۔ اچھے صحافی ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ وہ اپنا کام غیر جانبداری کے ساتھ سرانجام دیں۔ انھیں قطعی زیب نہیں دیتا کہ وہ چیزوں کو حکمرانوں کی خواہش کے مطابق پیش کریں۔

دراصل جمہوری نظام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں اقلیتوں کی بھی سنی جائے اور ان کی بھی جو سرکار میں شامل نہیں ہیں صحافت کو ان کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے کیونکہ ان کے پاس اقتدار کی طاقت نہیں ہوتی۔ صحافی کے کردار کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے اس کا غیر جانبدار رہنا۔ جو اخبار یا اخبار نویس جانبدار ہو جاتا ہے وہ وقت کے ساتھ نہیں چل پاتا اور اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔

آج ہر شعبے میں نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ ترقی کی رفتار کافی تیز ہے آج کا قاری چاہتا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ جانکاری کم سے کم الفاظ میں مل جائے کسی معاشرے کی ترقی کے لئے یہ بے حد ضروری بھی ہے کہ اسے تازہ بہ تازہ واقعات کی اطلاع بروقت ملتی رہے، بہ صورت دیگر اس کی ترقی رک سکتی ہے۔ لہذا صحافت کو چاہئے کہ معاشرے کی یہ ضرورت بہ حسن و خوبی پوری کرے۔ اسی کے ساتھ ساتھ صحافت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ معاشرے کو اس بات کی جانکاری بھی فراہم کرائے کہ

اس معاشرے کے لوگ کیا کر رہے ہیں کیا محسوس کر رہے ہیں اور ان کے رجحانات و افکار کی سمت و رفتار کیا ہے۔

اس وقت تحریری صحافت خصوصاً اخبارات کا مقابلہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ہے۔ ریڈیو کی ابتدا ہوئی تو لوگوں نے سمجھا کہ اب اخبارات کے دن گئے۔ اخبار زیادہ سے زیادہ دن میں تین بار چھپ جائے گا۔ لیکن ریڈیو سے تو ہر گھنٹے خبریں نشر کی جاسکیں گی اور کوئی اہم خبر آ گئی تو دوسرے پروگراموں کے درمیان ہی اسے نشر کیا جا سکتا ہے پھر خبروں پر تبصرے، خبروں کا پس منظر، حالات حاضرہ کی جھلکیاں، اہم واقعات کا براہ راست آنکھوں دیکھا حال اور یہ سب آواز کے سحر اور موسیقی کے جادو سے مزیّن۔ مزید یہ کہ اس سب سے مستفیض ہونے کے لئے خواندگی کی شرط ختم۔ اب اخبارات بکیں تو کیوں؟

لیکن تحریر کا اپنا مقام ہے۔ اس کے اندر ایک پائیداری ہے یہ بولے ہوئے الفاظ کی طرح ہوا میں معدوم نہیں ہو جاتی۔ اپنے بس میں ہوتی ہے جب جی چاہے پڑھئے جتنی بار جی چاہے پڑھئے۔ اسے حوالے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ دستاویز کے طور پر محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کر سکتی ہیں' مزید یہ کہ اخبارات خبروں کو جس صراحت، کاملیت، پس منظر کی گہرائی و گیرائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں' یہ ان ہی کا حصّہ ہے' برقی ذرائع ترسیل کے ایک بولٹین میں جتنی خبریں ہوتی ہیں۔ اخبار انھیں بڑی آسانی سے اپنے چار پانچ کالم میں پیش کر دیتا ہے پھر یہ کہ اخبار کا غیر خبری حصّہ اتنا رنگا رنگ اور مختلف النوع ہوتا ہے کہ اس کا نعم البدل ریڈیو اور ٹیلی ویژن مشکل ہی سے پیش کر سکیں گے۔ مزید یہ کہ اخبارات کے ذریعے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اسی لئے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کی حیرت انگیز ترقی کے باوجود تحریری صحافت کی اہمیت نہ کم ہوئی ہے نہ کم ہوگی کچھ لوگوں کا تو یہ دعویٰ بھی ہے کہ فی زمانہ اخبارات کا اشتیاق بڑھا ہے اور ان کی اشاعت میں اضافہ ہوا ہے۔

صحافت کی تاریخ:

صحافت کی تاریخ طباعت کی ایجاد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں واقعات ہاتھ سے لکھ کر لوگوں تک پہنچائے جاتے تھے۔ ۔محمد عتیق صدیقی WORLD COMMUNICATIONS (UNESCO PUBLICATION. 1956) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''حضرت مسیح سے کوئی 751 برس پہلے رومن راج میں روزانہ ایک قلمی خبر نامہ جاری کیا جاتا تھا۔ جس میں سرکاری اطلاعیں نیز میدان جنگ کی خبریں ہوتی تھیں۔ اس قلمی خبر نامے کو ''اکٹاڈیورنیا'' کہتے تھے۔ یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ جو ACTA اور DURNA سے مرکب ہے۔ اول الذکر کے معنی ہیں کاروائی اور موخر الذکر کے معنی ہیں روزانہ''1

جدید اخبار نویسی کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں، 1566ء میں ''وینس'' (VANIS) شہر میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک شخص عام شاہ راہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں لوگوں کو دلچسپی کی خبریں ایک قلمی مسودے سے پڑھ کر سناتا تھا۔ یہ مسودہ حکومت کی نگرانی میں تیار کیا جاتا تھا۔ جو لوگ ان خبروں کو سنتے تھے ان سے ایک گزیٹا وصول کیا جاتا تھا۔ جو رائج الوقت سکہ تھا۔ اور اسی مناسبت سے گزٹ کا لفظ ایجاد ہوا جو اخبار کے معنی میں بولا اور لکھا جاتا ہے۔ اس تجربے کے بعد یوروپ کے دیگر ممالک میں بھی خبر ناموں کا رواج شروع ہوا۔ لہذا سولہویں صدی کے انگلستان میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ جب کوئی ایسا اہم واقعہ وقوع پذیر ہوتا جس سے عوام کا بھی کچھ تعلق ہو تو حکومت ایک خبر نامہ جاری کرتی اسے نیوز شیٹ کہتے تھے۔ اور یہ بھی قلمی ہوتا تھا2 ان چیزوں کو جدید صحافت کی ابتداء ان معنوں میں کہا

1۔محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957، ص 19.

2۔ایضا، ص 20

جا سکتا ہے کہ ان کے ذریعے خبروں کو عوام تک پہنچانے کا طریقہ شروع ہوا۔

چھاپے خانے کی ایجاد کے بعد یوروپ میں صحافت کی ابتداء چھوٹے چھوٹے کتابچوں کے ذریعے ہوئی۔ جنھیں عرف عام میں پمفلٹ کہا گیا، اور اسی کی مناسبت سے صحافی کو پمفلٹ باز کہا جاتا۔ ان کتابچوں کے ذریعے نئی اور اہم باتیں عوام تک پہنچائی جاتیں، کسی اہم مسئلے پر رائے عامہ ہموار کرنے کا بھی ان سے کام لیا جاتا۔ چنانچہ مسیحی مذہب کے متنازعہ فی مسئلوں پر منحصر غیر مجلد کتابوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔

رفتہ رفتہ ان کتابچوں نے اپنا حلقہ وسیع کیا اور مسیحی تنازعات سے باہر نکل کر عام سماجی، علمی، ثقافتی اور دوسرے معاملات کو بھی اپنے اندر سمولیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے رویے میں بھی تبدیلی آئی، دینی معاملات میں یہ عموماً یک طرفہ ہوا کرتے تھے لیکن جب عام خبروں کو انھوں نے چھاپنا شروع کیا تو ان کے اندر غیر جانبداری اور دیانت داری آئی، اب یہ کسی مسئلے کے دونوں رخ قارئین کر سامنے پیش کرنے لگے۔ 1

لہذا پہلا مطبوعہ خبر نامہ 1609ء میں جرمنی میں جاری کیا گیا۔ جس کا نام AVISA RELATION ODERZEITUNG تھا۔ اس کے دوسال بعد اسی طرح کا ایک چھپا ہوا خبر نامہ برطانیہ سے 1611ء میں ''نیوز فرام اسپین'' کے نام سے شائع ہوا۔ لیکن اس کی شکل وصورت اور رنگ ڈھنگ اخباری نہ تھا۔ اسلئے بہت سے لوگ اسے پہلا برطانوی اخبار نہیں مانتے۔ لہذا پہلا باضابطہ برطانوی اخبار انگریزی زبان میں 1620ء میں شائع ہوا جس کا نام ''ویکلی نیوز'' تھا۔ اس کے بعد 1631ء میں فرانس سے ''گزٹ ڈی فرانس'' جاری ہوا۔ امریکہ کا پہلا اخبار ''پبلک آکرنسیز'' (PUBLIC OCCURENCES) تھا جو 1690ء میں بوسٹن سے جاری ہوا۔ 2

سولہویں صدی کے خبر نامے یا سترہویں صدے کے اخباروں کا وہ طرز نہیں تھا جو آج ہمارے اخباروں کا ہوتا ہے۔ ان میں صرف خبریں ہوتی تھیں۔ خبروں کا تازہ ہونا بھی

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی 1989ء، ص 35-23.

2 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957ء ص 20 .

ضروری نہیں تھا۔ البتہ انھیں دل چسپ انداز میں تحریر کیا جاتا تھا۔ لیکن علم، سائنس اور تجارت کی ترقی کے ساتھ ساتھ لوگوں نے باخبر رہنے کی زیادہ ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ سترہویں صدی میں کچھ لوگوں نے یوروپ میں نجی خبر رسانی کا کام شروع کیا۔ 1641ء میں انگلستان میں اخبارات کی آزادی کو قانوناً تسلیم کیا گیا۔ 1 برطانوی اخبار نویسی اور سیاسی تاریخ کا یہ ایسا اہم ترین واقعہ تھا جس کے بعد ہی انگریزی خبرناموں نے ترقی کر کے اخبار کی شکل اختیار کی اور 1702ء میں لندن کا پہلا روزانہ اخبار ''لندن ڈیلی کورانٹ'' شائع ہوا۔ 2

برطانیہ میں اخبارات کی آزادی کے حق کو قانوناً تسلیم کر لینے کے باوجود پارلیمنٹ اور کلیسا دونوں کا رویہ اخبارات سے معاندانہ رہا جس سے سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں وہاں اخبار نویسی کے ارتقاء کی رفتار بے حد سست رہی۔ پھر بھی چھپائی کے کام میں بہتری آنے، ڈاک لے جانے والی گھوڑا گاڑیوں میں اضافہ ہونے اور خبریں حاصل کرنے کی کچھ سہولیات کی وجہ سے اخبارات کی تعداد میں اضافہ ہوا اور صحافت جو ابھی تک پبلشر کا ضمنی کام تھا، باقاعدہ پیشے کی حیثیت اختیار کرنے لگا۔

گو کہ فرانس میں پہلا اخبار 1631ء میں شائع ہو گیا تھا مگر اخبار نویسی پر وہاں بھی کڑی پابندیاں عائد تھیں بلکہ وہاں تو تقریروں اور جلسوں پر بھی سخت بندشیں تھیں۔ البتہ 1789ء میں انقلاب فرانس کے بعد تمام پابندیاں اور بندشیں صحافت سے اٹھا لی گئیں۔ انقلاب کے بعد جو پہلی نیشنل اسمبلی بنی اس نے سب سے پہلے عوام اور اخباروں کو تقریر و تحریر کی پوری آزادی دی۔ لہذا محمد عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

> ''1791ء میں فرانس کی نیشنل اسمبلی نے جو جمہوری دستور مرتب کیا اس کی گیارہویں دفعہ کے مطابق فرانس کے شہریوں کو تقریر کے ساتھ ساتھ اخبار نویسی کی بھی قانوناً آزادی نصیب ہوئی، یہ واقعہ صرف

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957، ص 21.

2. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی 1989ء، ص 29.

فرانس ہی کی اخباری وسیاسی تاریخ کا نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ اور دنیا میں انسان کے شہری حقوق کی پہلی فتح تھی۔ جس کے بعد ہی اخبارنویسی کے ایک نئے تصور نے جنم لیا۔ جس کو بجا طور پر جدید اخبار نویسی کا سنگ بنیاد کہا جا سکتا ہے''1

اسی زمانے میں اخبارات میں عوام کی بڑھتی ہوئی دل چسپی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب یوروپ اور امریکہ کے بہت سے ملکوں میں بھی اخبار ایک اہم سماجی ضرورت بنتا جارہا ہے۔ مگر اس وقت کے حکمراں اخبارات کی آزاد اور بیباکانہ رائے زنی سے نالاں تھے۔ کیونکہ اب ایسی بہت سی چیزیں اخبارات میں شائع ہو جاتیں جنھیں محلوں کے اندر ہی پوشیدہ رہنا چاہئے تھا۔ اس کے لئے مدیروں کو رشوت دی جاتی جو رشوت لینے سے انکار کرتا اسے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتیں۔ یا دوسرے طریقوں سے ستایا جاتا۔ کہیں اخبار جاری کرنے کے لئے لائسنس کی شرط لگائی جاتی تو کہیں اخبارات پر بھاری ٹیکس عائد کئے جاتے۔ خصوصاً برطانیہ میں ایسے ٹیکسوں کی شرح کافی زیادہ تھی تاکہ عام آدمی اخبار نہ خرید سکے۔2

انیسویں صدی کے وسط میں برطانوی صحافت میں کچھ خوشگوار تبدیلیاں آئیں۔ سیاسی آزادی کے رجحانات زور پکڑنے کی وجہ سے عوام نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ اخبارات کو ٹیکس سے بری کیا جائے۔ مطالبے میں اتنی شدت تھی کہ سرکار کو اسے ماننا پڑا۔ اسی زمانے میں ٹیلیگراف اور ٹیلی فون کی ایجاد نے خبریں مہیا کرانے میں مزید آسانیاں پیدا کردیں۔ صنعتی ترقی کی وجہ سے چھپائی کی مشینوں میں ترقی ہوئی تو ان کی پیداواری رفتار بڑھی۔ ریلوے کی ترقی کی وجہ سے اخبارات چھوٹے چھوٹے شہروں بلکہ قصبات تک پہنچنے لگے۔ اخباری کاغذ کی مانگ بڑھی تو اخباری کاغذ بنانے والے کارخانوں میں اضافہ ہوا اور اخباری کاغذ معقول قیمتوں پر دستیاب ہونے لگا۔ اخباروں کی اشاعتی تعداد بڑھی تو اشتہار

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبارنویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957، ص 21.

2 سید اقبال قادری، رہبر اخبارنویسی، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی 1989، ص 30-29.

دینے والوں کی توجہ بھی ادھر زیادہ ہوگئی۔جس سے اخبارات کو کافی منافع ہونے لگا۔ اخبارات کی تعداد بڑھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان کی لاگت کم ہوگئی۔نتیجہ یہ ہوا کہ اب اخبارات عام قارئین کی پہنچ میں بھی آ گئے اور یہ صنعت دن دونی رات چوگونی ترقی کرنے لگی۔اخبارات کا معیار بڑھانے کی نئی نئی ترکیبیں کی جانے لگیں مثلاً کچھ ناشروں نے یہ طریقہ اپنایا کہ چھوٹی چھوٹی خبریں بالکل سیدھی سیدھی زبان میں دی جاتیں۔تاکہ براہ راست ترسیل میں رکاوٹ نہ آئے۔خبروں کی سرخیاں دیدہ زیب طریقے سے بڑے حروف میں دی جاتیں۔جرائم سے متعلق چٹ پٹی خبروں کو اہمیت دی جاتی۔ ہنگامہ خیز اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والی خبرون کو چھاپنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا جاتا۔قارئین کو یہ احساس دلایا جاتا کہ اخبار کے مطالعے سے ان کے علم میں اضافہ ہورہا ہے۔ان ہمہ تدابیر کی وجہ سے اخبارات کی اشاعتی تعداد میں اتنا اضافہ ہوگیا کہ لندن کا ''ڈیلی میل'' دس لاکھ کی تعداد میں شائع ہونے لگا۔بڑے اخبارات کے ساتھ ساتھ علاقائی اخبارات کی اشاعتی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا۔لیکن اخبارات کی تعداد میں سب سے زیادہ اضافہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ہوا۔اب لندن کے بعض اخبارات چالیس اور پینتالیس لاکھ تک نکلنے لگے۔جاپان کا روزنامہ ''اساہی سمن'' ہر روز ایک کروڑ سے زیادہ چھپتا ہے۔یہی حال روس کے اخبار ''پراودا'' اور ''ازدستیا'' کا ہے۔1

ہندستانی صحافت: دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ہندستان میں بھی چھاپے خانے سے پہلے خبر رسانی کے مختلف طریقے مروج تھے۔ڈھنڈھورچیوں کے ذریعے تازہ شاہی فرمان، نیلامی کی اطلاعات اور دوسری بہت سی خبریں شاہ راہوں اور بازاروں میں باآواز بلند سنائی جاتی تھیں۔اس کے علاوہ آوارہ گرد فقیر، سادھو، سیاح، خانہ بدوش، تاجر، بنجارے، شاعر، مسخرے اور مطربوں کو بھی خبر رسانی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

پتھروں پر فرامین، مذہبی احکامات اور اخلاقی اصول کندہ کر کے جگہ جگہ نصب

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، 1989ء، ص 31.

کرائے جاتے۔اشوک کے کتبے اس کی مثال ہیں۔اس کے بھی شواہد ملتے ہیں کہ بدھ مذہب کے اصول پتھروں پر کندہ کر کے سری لنکا اور دوردراز مقامات تک بھیجے گئے تھے۔اس سلسلے میں محمد عتیق صدیقی ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''پرانے زمانے کے کتبے اور اسٹون....خبر رسانی کی ابتدائی تاریخ کی گم شدہ کڑیاں ہیں۔اس زمانے میں ستونوں اور چٹانوں پر عبارتیں کندہ کر کے سرکاری قوانین، مذہبی احکام اور اخلاقی اصول لوگوں تک پہنچائے جاتے تھے۔..... چٹانوں اور ستونوں پر عبارتیں کندہ کرنے کی مثالیں ہم کو دوسرے ملکوں کی تاریخ میں بھی ملتی ہیں۔مثلاً بابل ونینوا کے شہروں میں بھی چٹانوں پر عبارتیں کندہ کی جاتی تھیں۔اسی طرح کا ایک قدیم سنگی کتبہ قدس (بیت المقدس) کے جنوبی مشرقی سرے کی ایک پہاڑی پر ملا ہے۔اس کی زبان انجیل عبرانی ہے اور یہ کتبہ کم وبیش سات سو سال قبل مسیح کا ہے''. 1

یہاں کے ہر راجہ اور بادشاہ کے پاس خبر رسانی کا کوئی نہ کوئی نظام ضرور ہوتا تھا۔مثلاً قدیم ہندستان کا سب سے پہلا آئین منو نے مرتب کیا تھا جو بڑی حد تک جمہوری تھا۔اس میں اس نے گاؤں کو بنیادی حیثیت دی تھی اس کی خبر رسانی کی ابتداء بھی گاؤں سے ہی ہوتی ہے۔منو کے مطابق، ایک گاؤں پھر دس گاؤں پھر بیس گاؤں پھر سو سو اور ہزار ہزار گاؤں کا چودھری مقرر کیا جائے۔ ہر گاؤں کا چودھری اپنے گاؤں کے اچھے برے واقعات کی اطلاع دس گاؤں کے چودھری کو۔دس والا بیس گاؤں والے کو بیس والا سو والے اور سو والا ہزار گاؤں والے چودھری کو دے اس طرح خبریں راجہ تک پہنچ جائیں گی. 2 خبریں پہنچانے کا یہ نظام اس زمانے کی

---

1. Book of Knowledge, vol 10, p.6-54, (بحوالہ محمد عتیق صدیقی، ہندستانی صحافت کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، ۱۹۵۷، ص ۳۲۔

2 منوس سمرتی، باب سات، دفعہ 106، بحوالہ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، دہلی، جلد اول، 1953، ص 26.

ضرورتوں کے لئے یقیناً کافی رہا ہوگا۔

اسی طرح اشوک کے بارے میں نٹ راجن نے لکھا ہے:

شہنشاہ کے پاس اطلاعات حاصل کرنے کے متعدد ذرائع تھے۔ جاسوس باغیانہ سرگرمیوں کی اطلاع دیتے تھے۔ ہر محکمے میں خفیہ نویس متعین ہوتے تھے۔ ہر محکمہ اپنی کارگذاریوں کی اطلاع خود بھی دیتا تھا اور عوام کی مذہبی وسماجی سرگرمیوں کی اطلاعات خانقاہیں پہنچایا کرتی تھیں۔ صرف خفیہ اطلاعات کو بادشاہ خود وصول کرتا تھا۔ بقیہ اطلاعات کی دیکھ ریکھ مجلس وزراء کے سپرد تھی۔ وزراء کے پاس خبروں کے وصول کے اپنے ذرائع بھی تھے جس کی وجہ سے وہ مجلس یا ایوانوں میں ممتاز کارکردگی کا مظاہرہ کر پاتے تھے۔ 1

ڈاک کا مناسب انتظام ہندستان کے دیگر بادشاہوں کے یہاں بھی ملتا ہے۔ بقول یوسف علی محمد تغلق کے عہد میں فوری چٹھیوں کے لانے اور لے جانے کے انتظام کا سراغ ملتا ہے۔ 2 اسی طرح شیر شاہ سوری کے یہاں بھی خبر رسانی وڈاک کا باقاعدہ انتظام تھا۔ اس کا ذکر اکثر مورخین کرتے ہیں کہ شیر شاہ نے سڑکوں کے کنارے جو سرائیں بنوائی تھیں، ان میں ڈاک کی چوکی بھی ہوتی تھی جس میں ڈاک لے جانے والے دو گھوڑے تیار رہتے تھے۔ سرکاری حکام تو خبریں بھیجتے ہی تھے۔ اس کے خفیہ خبر رساں بھی ہوتے جو مسافروں کے قافلوں تاجروں اور دیگر آنے جانے والوں سے اطلاعات حاصل کر کے بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ شیر شاہ کی قابل رشک خبر رسانی کے ذرائع کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسے بنگال جیسے دور دراز علاقے سے بھی روزانہ اطلاعات موصول ہوتیں۔ شیر شاہ کے پاس کچھ ایسے انتظامات تھے کہ وہ بیرون ملک کی خبریں بھی حاصل کر لیتا تھا۔ 3

مغلوں کے عہد میں بھی اخبار نویسی اور وقائع نگاری کو کافی فروغ ملا لہذا

1. J.Natrajan, History of Indian Journalism, Report of Press Commission, vol 2, Pub. Division, New Delhi 1955, p3.
2. Abdullah Yusuf Ali, Cultural History of India British Period, Bombay, 1940 p 86
3. Qanungo, Shershah and his Time, Bomaby, 1965, P 392-93.

ابوالفضل نے وقائع نگاری کے سلسلے میں آئین اکبری میں لکھا ہے کہ

''واقعات سلطنت کا قلم بند کرنا نہ صرف مملکت ودولت کی ترقی اور انتظام کے لئے ضروری ہے۔ بلکہ ہر طبقہ اور ہر مجلس کی رونق کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے۔اگر چہ قدیم زمانے میں بھی اس طریقے کا پتہ چلتا ہے مگر اس کی اصلی حقیقت سے اہل زمانہ کو اس مبارک عہد میں (اکبر کے وقت میں) آگاہی ہوئی''۔ 1

مغلوں کے عروج کے ساتھ ساتھ صحافت کا بھی ارتقاء ہوتا رہا۔محمد عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

''اورنگ زیب کے عہد میں اخبار نویسوں کا ایک جال سا سارے ملک میں بچھ گیا تھا..... پاتھن جوزف کا.....یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ اورنگ زیب کے زمانے میں شاہی محل کے لئے روزانہ ایک اخبار جاری کیا جاتا تھا.....

یہ اخبار اورنگ زیب ہی کے عہد سے نہیں شروع ہوا تھا، بلکہ اس کے پیش رو مغل بادشاہوں کے وقت میں ایک اخبار شاہی محل سے جاری ہوتا تھا اور اس کی اشاعت صرف شاہی محل ہی تک محدود نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کی نقلیں دور دراز علاقوں کے امراء وغیرہ کے پاس بھی بھیجی جاتی تھیں۔ مغل عہد کے کئی سو قلمی اخبارات لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں محفوظ ہیں.....مغلوں کے زمانے میں اس کا سلسلہ اکبر کے ہی عہد سے شروع ہو گیا تھا''۔ 2

جادو ناتھ سرکار کے مطابق مغلوں کی مرکزی حکومت کو جن ذرائع سے خبریں

---

1. ابوالفضل، آئینہ اکبری، اردو عثمانیہ، ص 381۔

2. محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957ء، ص 31-28

حاصل ہوتی تھیں وہ چار ہیں:

- وقائع نگار
- سوانح نگار
- خفیہ نویس
- ہرکارے

ہرکارہ عموماً زبانی خبریں پہنچاتا تھا۔لیکن بقیہ تین خبریں لکھ کر بھیجتے تھے۔سوانح نگار اہم اور خاص واقعات کی اطلاع دیتا تھا۔لیکن وقائع نگار پابندی کے ساتھ خبریں بھیجتا تھا۔اکثر مقامی افسروں کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کے علاقے کا خفیہ نویس کون ہے۔لہذا خفیہ نویس کے خیال سے ہر شخص ڈرتا رہتا تھا.....اخباری مراسلات اور ہرکارے کی لائی ہوئی دوسری خبریں سب سے پہلے داروغہ ڈاک چوکی کے پاس آتی تھیں۔جوان لفافوں کو کھولے بغیر وزیر یا بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔داروغہ ڈاک ہر چہار قسم کی خبر رسانوں کا افسر اعلی ہوتا تھا۔1

محققین کا خیال ہے کہ اخبار نویسوں کو خبریں اور رائیں پوری آزادی سے پیش کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔مغلوں کے دور حکومت میں ہر صوبے کے صدر مقام میں باقاعدہ دفتر معلومات قائم تھا۔

سرکاری مخبروں کے علاوہ بہت سے تاجروں اور امیروں کے نجی خبر نویس بھی ہوا کرتے تھے جو ان کی ضرورت کی خبریں تحریری طور پر بہم پہنچایا کرتے تھے۔

قلمی اخبارات کی مثالیں نوابین اودھ کے یہاں بھی مل جاتی ہیں۔جنھیں ''ڈیوڑھی اخبار'' کا نام دیا گیا تھا۔جس نواب کے دربار سے یہ اخبار نکلتا تھا۔اس کا نام اس میں جوڑ دیا جاتا تھا۔جیسے ''اخبار ڈیوڑھی آصف الدولہ''2

1.Jadunath Sarkar, Moghal Administration, p49.

2 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، 1957، ص 32.

لیکن یہ ساری چیزیں اس زمانے کے حکمرانوں کے لئے ہوتی تھیں اس لئے خبروں کی نوعیت وہ نہیں ہوتی تھی جو آج کے اخبارات، ریڈیو یا ٹیلی ویژن کی خبروں کی ہوتی ہے جس کے مخاطب عوام ہیں۔

کمپنی کے عہد میں مطبوعہ صحافت:

پندرہویں صدی کا آخری دن یعنی 31 دسمبر 1600ء دنیا کی تاریخ میں سعد بھی تھا اور نحس بھی، ایسا کم ہوتا ہے بلکہ نہیں ہوتا ہے کہ ایک ہی دن سعد بھی ہو اور نحس بھی۔ لیکن یہ دن مملکت برطانیہ کے لئے سعد اور سلطنت مغلیہ کے لئے نحس اس لئے تھا کہ اسی دن برطانیہ کی ملکہ الزبتھ اول نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مع ہندستان تمام مشرقی ممالک میں تجارت کا اجازت نامہ تفویض کیا۔ 1

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندستان آنے سے اکیس سال پہلے 1575ء میں ایک برطانوی جہاز گوا میں لنگر انداز ہوا (1498ء میں واسکوڈی گاما نے ہندستان کا سمندری راستہ یوروپ والوں کے لئے پایاب کر دیا تھا) اس جہاز سے آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ انگریز پادری تھامس اسٹیونس اترا (شاید یہ کسی انگریز عیسائی کا ہندستان کی سرزمین پر پہلا قدم تھا) وہ ایک عیسائی مبلغ تھا اس کا مقصد یہاں عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ لہذا وہ ہندستان میں چالیس سال کے قریب زندہ رہا اور آخری دم تک عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ یہی شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کا محرک بنا۔ کیونکہ اس نے اپنے باپ کو جو خطوط لکھے اس میں ہندستان کے ہیرے جواہرات، سونے چاندی اور سامان تجارت کی بہتات کا مبالغہ آمیز ذکر کیا۔۔ یہ خطوط لندن کے تجارت پیشہ انگریزوں کی نظر سے بھی گذرے۔ فادر اسٹیونس کے بعد ایک اور انگریز جان نیو بری (JOHN NEWBARRY) خشکی کے راستے ہندستان آیا۔ واپس جانے پر اس نے فادر اسٹیونس کی لکھی ہوئی باتوں کی تصدیق کی۔ لہذا لندن کے کاروباری لوگوں نے طے کیا کہ ایک تجارتی وفد ہندستان بھیجا جائے۔ 2

1. محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجم ترقی اردو (ہند)، 1957، ص 46۔
2. ایضاً، ص 46۔

فروری 1583ء کو انگریز تجاروں کا ایک وفد ہندستان کے لئے روانہ ہوا جس کی سربراہی جان نیو بری کر رہا تھا۔ اس وفد کے پاس اکبر اعظم کے نام ملکہ الزبتھ اول کا ایک سفارشی خط بھی تھا۔ دوران سفر پرتگالیوں سے مڈبھیڑ اور دوسری مشکلات کا سامنا کرتا ہوا یہ وفد کسی طرح فتح پور سیکری پہنچ گیا۔ جہاں اکبر اعظم نے خاطر خواہ پذیرائی کی۔ اس وفد کا صرف ایک فرد رالف فیچ (RALPH FITCH) انگلستان لوٹا۔ اس نے ہندستان کے پرکشش تجارتی امکانات بیان کئے اس کے بعد ہی 31 دسمبر 1600ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام عمل میں آیا۔ اور 1608ء میں جہانگیر کی اجازت سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت میں راپتی ندی کے کنارے اپنے دفتر اور گودام کے لئے مکانات کرائے پر لئے۔ اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ تجارت پیشہ لوگ ایک روز ہندستان کے فرمارواں بن بیٹھیں گے۔

ہندستان پر انگریزوں کے اقتدار کی ابتداء بنگال میں 1757ء کی جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست سے ہوئی جس کے نتیجے میں برطانوی تجارتی کمپنی نے بنگال پر قبضہ کرلیا۔ پھر رفتہ رفتہ انھوں نے ہندستان کے تین ساحلی علاقوں کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں اپنے خودمختار علاقے قائم کر لئے اور وہاں کا نظم ونسق اپنے طور پر کرنے لگے۔ کمپنی کے تمام ملازمین بورڈ آف ڈائریکٹر اور برطانوی پارلیمان کے طابع تھے۔

ہندستان پر انگریزوں نے کیسے قبضہ جمایا اس سوال کا جواب کارل کارکس نے اپنے 22 جولائی 1853ء کے نیویارک ٹریبیون (NEW YORK TRIBUNE) کو لکھے خط میں بڑے اختصار سے اس طرح دیا ہے۔

> ”مغل اعظم کی عظیم الشان طاقت کو مغل صوبے داروں نے پاش پاش کیا۔ صوبیداروں کی قوت کو مرہٹوں نے ٹھکانے لگایا اور مرہٹوں کا افغانوں نے خاتمہ کیا، اور عین اس وقت جب کہ یہ طاقتیں ایک

دوسرے کو زک دینے کے لئے آپس میں دست و گریباں ہو رہی تھیں تو برطانوی باشندوں نے جھپٹ کر سب کو اپنا مطیع بنایا''۔ 1

حالانکہ یہ عمل اتنا اچانک اور غیر متوقع طریقے پر وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ ہندستان کو مطیع بنانے میں انھیں ڈیڑھ سو سال کا طویل عرصہ لگا۔ البتہ یہ درست ہے کہ ہندستان میں انگریزوں کی سیاسی کامیابی کا راز ہندستانیوں کی آپسی لڑائی اور پھوٹ تھی۔

کمپنی میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے نظم و نسق سے مطمئن نہیں تھے۔ یا جن کو کمپنی کی لوٹ میں حصہ نہیں مل رہا تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کو کمپنی کے اراکین نے اپنی تجارتی، سیاسی یا ذاتی مصلحتوں کی بنا پر یا ان کی لوٹ کھسوٹ کی بنا پر انھیں ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔

ہندستان میں مطبوعہ اخبار نکالنے کا خیال سب سے پہلے کمپنی کے ایک ایسے ہی برطرف ملازم مسٹر ولیم بولٹس کو آیا۔ برطرف ہو جانے کے بعد مسٹر بولٹس ہندستان اور برطانیہ کے مختلف حلقوں میں کمپنی کی بداعمالیوں کے خلاف احتجاج کرتے رہتے تھے۔

1768ء میں بولٹس کی طرف سے کلکتہ کونسل ہاؤس کے دروازے پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا اشتہار درج ذیل ہے۔

''

پبلک کے واسطے

اس اشتہار کے ذریعے مسٹر بولٹس پبلک کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس شہر میں چھاپے خانے کے نہ ہونے سے تجارتی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ خبر رسانی کا کام شروع کرنا ممکن نہیں ہے، جو یوروپین آبادی کے لئے خصوصاً اور برطانوی رعایا کے لئے عموماً بے حد ضروری ہے۔ اگر کوئی صاحب خبر رسانی کے فن سے واقف ہوں اور

---

1. Marks. and Angles on India, p58, بحوالہ محمد عتیق صدیقی، ص ۵۱

چھپائی کا کام بھی کرنا چاہیں تو وہ (مسٹر بولٹس) ان کی پوری ہمت افزائی کریں گے۔ ٹائپ اور دوسرے ضروری سامان کا بھی وہ بندوبست کردیں گے۔ ساتھ ہی وہ اس کا اعلان بھی کرنا چاہتے ہیں کہ کچھ مسودات اور بہت سی خبریں جن کا پبلک سے تعلق ہے ان کے پاس محفوظ ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس اشتہار کو دیکھ کر یا کسی اور قابل تعریف جذبے کے تحت ان کو پڑھنا چاہیں تو مسٹر بولٹس کے مکان پر آکر پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں تو نقل بھی کر سکتے ہیں۔ ہر روز ایک آدمی دس بجے سے بارہ بجے تک اس خدمت کے لئے وہاں موجود رہے گا''۔ 1

یہ اشتہار نکالنے کی پاداش میں بولٹس کو 1768ء میں شہر بدر کر کے مدراس بھیج دیا گیا اور وہاں سے چند ماہ بعد یوروپ۔ اس طرح ہندستان میں اخبار نکالنے کی پہلی کوشش ناکام ہوگئی۔

ہندستان سے واپس جانے کے بعد بولٹس نے ایک کتاب CONSIDRATION OF INDIAN AFFAIRS کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب پانچ سوصفحات پر مشتمل ہے اس کے دو حصے ہیں پہلا حصہ جو ڈھائی سوصفحات پر پھیلا ہوا ہے اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ اور اس کے ہتھ کنڈوں کی تفصیل ہے۔ دوسرے حصے میں وہ معاہدات درج ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1771ء تک ہندستانی حکمرانوں سے کئے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پہلی تاریخ ہے جو جنگ پلاسی کے صرف 17 سال بعد لکھی گئی۔ دوسرے اس میں انگریزوں کی ہندستان میں لوٹ کھسوٹ اور بداعمالیوں کا کچا چٹھا ہے۔ اور اسے ایسے شخص نے لکھا ہے جو ان سب چیزوں میں خود بھی شامل رہا ہے۔ 2

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957، ص 56۔

2 ایضاً، ص 58۔

ہندستان کے ابتدائی مطبوعہ اخبارات:

بولٹس کی ناکام کوشش کے بارہ سال بعد ایک اور انگریز جیمز اگسٹس ہکی نے ''ہکیز بنگال گزٹ'' یا ''کلکتہ جنرل ایڈور ٹائیزر'' نام سے 29 جنوری 1780ء کو ہندستان کا پہلا انگریزی اخبار جاری کیا جو چار صفحات پر مشتمل ہفت روزہ تھا۔ جس میں ہندستانی خبروں کے ساتھ ساتھ یوروپی خبروں کا خلاصہ بھی دیا جاتا تھا۔1 یہ اخبار جدید معنوں میں بھی اخبار تھا، کیوں کہ اس سے ہندستان میں اس صحافت کی ابتداء ہوتی ہے۔ جسے جمہوریت کا ایک ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ دراصل ہکی ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف برطانوی رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ہندستان میں فرد کی آزادیٔ اظہار کا انوکھا نمونہ تھا۔

لہذا ہکیز گزٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ بعض افراد کی کالی کرتوتوں کو شائع کیا تو ہکی کو چار ماہ کی سزا اور چار سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ لیکن اس سے اس کے عزم میں کوئی کمی نہیں آئی اور وہ کمپنی کے عملے کی لوٹ کھسوٹ ظلم وزیادتی کے خلاف کھلے عام لکھتا رہا۔ نتیجے میں گورنر جنرل نے ڈاک کے ذریعے اس کے اخبار کی تقسیم روک دی۔ اس کا بھی ہکی پر کوئی اثر نہیں ہوا تو 1781ء میں اسے دوبارہ گرفتار کر کے ایک سال قید اور پانچ ہزار روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ ہکی نے سلاخوں کے پیچھے رہنے کے باوجود اخبار کو بند نہیں ہونے دیا۔ اور باہر آنے کے بعد اپنے سابق اصول پر قائم رہا تو حکومت نے مارچ 1782ء کو اس کا پریس ضبط کر کے ہندستان کی اس نوزائیدہ صحافت کا گلا گھونٹ دیا۔2

ہکیز گزٹ کا پہلا نمبر شائع ہونے کے نو مہینے بعد ''انڈیا گزٹ'' ہندستان کا دوسرا انگریزی اخبار کلکتہ سے جاری ہوا۔ یہ بھی ہفت روزہ تھا اور ہکیز گزٹ کے جواب میں شائع کیا گیا تھا اسے حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے مالک (B. MESSINK) میسنک

---

1. S. Natrajan, A History of the Press in India, New Delhi, 1962, p14.
2. محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957ء، ص 64-68

اوراڈیٹر پیٹر ریڈ(PETER REED) تھے۔ یہ اپنے اجراء کے تین سال بعد سہ روزہ ہوا اور جلد ہی روزنامہ ہوگیا۔

سرکاری سرپرستی میں 4 مارچ 1784ء کو ''کلکتہ گزٹ یا اورینٹل ایڈورٹائیزر'' کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ یہ ہندستان کا تیسرا انگریزی ہفت روزہ اخبار تھا۔ اس نے اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں زیادہ عمر پائی۔ اس کے اڈیٹر مسٹر فرانسس گلڈون (MR. FRANCIS GLADWIN) تھے۔ جو انگریزی کے ساتھ ساتھ فارسی کے بھی عالم تھے محمد عتیق صدیقی نے لکھا ہے کہ ''بعض سرکاری کاغذات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسٹر گلیڈون کو ایڈیٹوریل لکھنے کے لئے سرکاری طور پر مواد بھی فراہم کیا جاتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ابتدائی نمبروں میں ایک کالم فارسی میں بھی ہوتا تھا۔ اور ''خلاصہ اخبار دربار معلّٰی بہ دارالخلافت شاہ جہاں آباد'' اس کالم کی مستقل سرخی ہوا کرتی تھی۔ اس کالم میں دربار معلّٰی کی خبروں کے علاوہ دلی کی عام خبریں بھی چھاپی جاتی تھیں۔ اس بناء پر اسے ہندستان کی مروجہ زبان میں پہلا اخبار کہا گیا۔ مگر محمد عتیق صدیقی کا کہنا ہے کہ انھیں اس اخبار کی 1786ء کی فائل نیشنل آرکائیو میں اور 88-1787 کی فائلیں نیشنل لائبریری کلکتہ میں دیکھنے کو ملیں ان تینوں فائلوں میں فارسی کالم نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے اس سے پہلے کے شماروں میں یہ فارسی کالم رہا ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ انھیں جو فائلیں دیکھنے کو ملیں ان میں فارسی غزلیں اور حکایتیں مع انگریزی ترجمہ اور فارسی و بنگلہ کے اشتہارات ضرور تھے۔ 1

کلکتہ سے 1785ء میں ہفتہ وار انگریزی اخبار ''بنگال جرنل'' کا اجرا ہوا۔ 1791ء میں ولیم ڈوآن (WILLIAM DAVANE) جو کچھ دنوں ''بنگال جرنل'' کے حصے دار بھی رہے تھے اپنا ایک اخبار ''انڈین ورلڈ'' کے نام سے شروع کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بداعمالیوں کا پردہ فاش کرتے رہنے کی وجہ سے عوام میں بہت مقبولیت حاصل

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957، ص 75.

ہوئی۔ کمپنی جب اس سے عاجز آ گئی تو مسٹر ڈوآن کو ملک بدر کر دیا گیا۔

ولیم ڈوآن کے بعد ڈاکٹر چارلس میک لین کو ملک بدر کرنے کا ذکر اکثر صحافت کی تاریخوں میں ملتا ہے انھوں نے 1795ء میں ایک ہفت روزہ انگریزی میں بنگال ہرکارو نام کا شائع کیا۔ وہ خود ہی اس کے ایڈیٹر بھی تھے اسے شائع کرانے کے جرم میں انھیں ملک بدر کیا گیا۔

کلکتہ سے 1785ء میں ایک سہ ماہی انگریزی رسالہ ''ایشیاٹک مسے لینی اینڈ بنگال رجسٹر'' (ASIATIC MISCELLANY AND BANGAL REGISTER) کے نام سے شروع ہوا جسے محمد عتیق صدیقی نے ہندستان کا پہلا انگریزی رسالہ مانا ہے[1] اسے کمپنی بہادر کی سرپرستی حاصل تھی۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں کلکتہ سے کئی اور رسالے بھی انگریزی میں نکلنا شروع ہوئے جیسے ''کلکتہ میگزین اینڈ اورینٹل میوزیم'' اور ''کلکتہ منتھلی جرنل'' ان سب کا ذکر بے جا طوالت ہوگی۔

بکیز گزٹ کے اجراء کے پانچ سال بعد یعنی 12 اکتوبر 1785ء کو مدراس کا پہلا انگریزی اخبار ''مدراس کوریر'' شائع ہوا۔ اس کے اڈیٹر اور مالک رچرڈ جانسٹن (RICHARDD JOHNSTON) تھے اسے پورے طور پر کمپنی کی سرپرستی حاصل تھی۔ مدراس کوریر کے آٹھ سال بعد تک کوئی اور اخبار وہاں سے شائع نہیں ہوا البتہ 1793ء میں ''ہرکارو'' نام کا ہفت روزہ ''ہیوج بوائیڈ'' (HUGH BOYD) نے انگریزی میں نکالا مگر اس کی عمر بہت کم رہی۔ مدراس کا تیسرا انگریزی ہفت روزہ مدراس گزٹ کے نام سے مسٹر ولیم سن نے جاری کیا۔ وہاں کا چوتھا انگریزی ہفت روزہ ہیم فریز نے ''انڈیا ہیرالڈ'' کے نام سے جاری کیا۔ اس نے حکومت سے اخبار نکالنے کی اجازت مانگی جو مسترد کر دی گئی اس نے اجازت کے بغیر

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957ء ص 78.

اخبار نکالا۔ اسے شہر بدر کر دیا گیا جس جہاز سے اسے لے جا رہے تھے وہ اس سے بھاگ گیا۔ 1

کلکتہ اور مدراس کے بعد ہندستان میں جہاں سب سے پہلے انگریزی صحافت کا ارتقاء ہوا وہ بمبئی ہے۔ یہاں سب سے پہلا انگریزی ہفت روزہ ''بمبئی ہیرالڈ'' 1789ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایک سال بعد یعنی 1790ء میں دوسرے ہفت روزے ''بمبئی کوریر'' کا اجراء ہوا۔ اس کی انفرادیت یہ تھی کہ اس میں گجراتی، مرہٹی اور کنڑ میں بھی اشتہارات شائع ہوتے تھے۔

20 جون 1790ء سے شروع ہونے والے ''بمبئی گزٹ'' میں تجارتی تفریحی خبروں کے علاوہ بیرون ملک کی خبریں بھی ہوتی تھیں۔ بمبئی کا چوتھا انگریزی ہفت روزہ ''بمبئی آبزرور'' تھا جو 1791ء میں جاری ہوا۔

ان اخبارات نے بمبئی کی اقتصادی، سماجی، معاشرتی اور سیاسی صورت حال پر گوناگوں اثرات مرتب کئے۔

ہندستان میں انگریزی صحافت کی ابتداء کے بیس سال کے اندر کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے علاوہ دوسرے کئی شہروں سے بھی بڑی تعداد میں اخبارات نکلنا شروع ہو گئے۔

مطبوعہ دیسی اخباروں کی ابتداء:

انگریزوں نے سب سے پہلے اپنے قدم کلکتہ میں جمائے اس لئے پہلے پہل جدید تصورات مغربی بنگال میں ہی زیادہ نمایاں ہوئے اور اسی توسط سے جدید دیسی اخبار نویسی کی ابتداء پہلے پہل بنگال سے ہوئی۔ ہندستان کی جدید اخبارنویسی (جس کی ابتداء انگریزی اخبارات سے ہوتی ہے) یوروپ کی جدید اخبارنویسی کے سو سال بعد شروع ہوئی۔ ہندستان کی جدید اخبارنویسی کے چھتیس سال بعد دیسی اخبارنویسی کی ابتداء ہوئی۔

---

1. J. Natrajan, History of Indian Journalism, Report of Press Commission, Publication Division, New Delhi 1955, p85.

لہذا پہلا مطبوعہ دیسی اخبار ''بنگال گزٹ'' کے نام سے گنگا دھر بھٹا چاریہ نے 1816ء میں بنگلہ زبان میں شائع کیا۔اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں سوائے اس کے کہ یہ ایک سال تک جاری رہا اور اس کا ماہانہ چندہ ایک روپئے تھا۔دیسی صحافت کی ابتداء تو ایک ہندستانی کے ہاتھوں ہوئی مگر اس کا ابتدائی ارتقاء انگریزوں ہی کے ہاتھوں ہوا۔1800ء میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے سیرام پور میں ایک مشن قائم ہوا (سیرام پور، کلکتہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) جس کا مقصد بنگالیوں میں عیسائیت کی تبلیغ تھا۔سیرام پور کے عیسائی مبلغوں نے بنگلہ زبان کی طرف خاص توجہ دی۔ان لوگوں نے بنگلہ، فارسی اور انگریزی کے اخبار و رسائل نکالے۔لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندستان میں طباعت کے فن کو بہت ترقی دی۔

سی رام پور کے عیسائی مبلغوں نے 1818ء میں بنگلہ زبان میں ''ڈگ درشن'' نام کا ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا یہی دیسی زبان کا ہندستان میں پہلا رسالہ ہے۔اس کا پہلا شمارہ اپریل 1818ء میں شائع ہوا۔اس کے روح رواں ڈاکٹر جوشا مارش مین تھے۔یہ رسالہ خالص بنگلہ زبان کا رسالہ نہ تھا بلکہ اس میں ایک صفحے پر انگریزی عبارت ہوتی تھی اور مقابل کے صفحے پر بنگلہ میں اس کا ترجمہ ہوتا تھا۔ 1

''ڈگ درشن'' پر جب حکومت نے ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی تو ان عیسائی مبلغوں کی ہمت بڑھی اور انھوں نے ایک ہفت روزہ بنگلہ زبان میں ''سماچار درپن'' کے نام سے شروع کیا جو 23 مئی 1818ء سے 1838ء تک جاری رہا۔اس اخبار کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی۔اس لحاظ سے تو یہ اخبار اہم ہے کہ یہ دیسی زبان کا پہلا ہفت روزہ ہے اور جس نے ایک لمبی عمر پائی۔مگر یہ اس لئے دیسی اخبار نہیں ہے کیونکہ یہ ترجمانی تو بہر حال برطانوی ذہن کی کرتا تھا اور اسے نکالنے والے برطانوی تھے۔

حقیقی معنوں مین ہندستانی بلکہ دیسی اخبار نویسی کی ابتداء رام موہن رائے سے

---

1 محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995، ص 25.

ہوتی ہے۔انھوں نے اپنے بنگلہ اخبار ''سمبد کمود'' اور فارسی کے ''مراۃ الاخبار'' کے ذریعے دیسی اخبارنویسی کا سنگ بنیاد رکھا۔اس کے علاوہ وہ کئی اور دیسی اخباروں سے بالواسطہ طور پر وابستہ رہے۔ رام موہن رائے نے ابتداء میں ہی اخبارنویسی کا جو معیار قائم کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ

''ان کے مخالف اخبارات بھی ان کے مضامین شائع کرنا باعث فخر سمجھتے تھے''1

رام موہن رائے بنگلہ، عربی ، فارسی اور انگریزی کے زبردست عالم تھے۔اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے عہد کے زبردست مصلح بھی تھے۔اخبارنویسی میں رام موہن رائے کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ انھوں نے اخبارات کے ذریعے اخبار جاری کرنے اور پڑھنے کا شوق لوگوں میں پیدا کیا۔اور صحافت کی آزادی کے لئے سب سے پہلے آواز اٹھائی۔

رام موہن رائے نے دسمبر 1821ء میں اپنا بنگلہ ہفت روزہ ''سمبد کمودی'' جاری کیا۔ اس بات کو سبھی محققین تسلیم کرتے ہیں کہ یہ دیسی زبان کا پہلا اخبار ہے جسے کسی ہندستانی نے ہندستانی نقطہ نظر سے نکالا۔اس اخبار کی تاریخ اجراء وملکیت کے بارے میں کچھ اختلافات ہیں۔مگر محمد عتیق صدیقی کافی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ رام موہن رائے ہی اس کے مالک تھے۔یہ اخبار 33 سال تک جاری رہا۔اس نے ستی کی رسم کے خلاف تحریک چلائی اور اس کی کوششوں سے 1829ء میں لارڈ بینٹک نے اس کے خلاف قانون بنایا۔

مغربی اثرات اور رام موہن رائے کی پہل وکوشش سے جدید اخبارنویسی اور خبریں جاننے کی طرف جو عوام کی رغبت ہوئی تھی اس کے تحت 1822ء میں فارسی کا دوسرا اور اردو کا پہلا مطبوعہ اخبار ''جام جہاں نما'' جاری ہوا۔اس کے درخواست دہندہ ہریہر دت اور اس کے ایڈیٹر منشی سدا سکھ تھے۔اور ابتداء میں اس کے ناشر ایک انگریز ولیم پی پرس ہاپ کنس تھے۔ امداد صابری کے مطابق نیشنل آرکائیو میں اس کی کاپیاں محفوظ ہیں۔جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کافی دنوں تک اسے حکومت کی سرپرستی حاصل رہی۔اس کے ابتدائی شماروں کے سرورق کے اوپری حصے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا مارکہ ہوتا تھا۔ کمپنی کا یہ نشان جام

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبارنویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957، ص125

جہاں نما کے سرورق پر اگست 1828ء تک چھپتا رہا پھر بند ہو گیا۔ دراصل اپنے اجرا کے چھٹے سال اس اخبار نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خلاف ایک مضمون شائع کر دیا۔ اس سے کمپنی کے عہدیداران اس درجہ خفا ہوئے کہ اس کی سرپرستی و امداد بند کر دی۔ 1

محمد عتیق صدیقی مختلف قرینوں سے ثابت کرتے ہیں کہ فارسی جام جہاں نما پہلے یعنی مئی 1822ء سے نکلنا شروع ہوا اور فارسی ''جام جہاں نما'' کے ساتھ ساتھ اردو ''جام جہاں نما'' بھی نکلنا شروع ہوا۔ جسے اردو کا پہلا مطبوعہ اخبار کہا جاتا ہے۔ گو کہ یہ اخبار فارسی جام جہاں نما کے ضمیمے کے طور پر شروع ہوا مگر مضامین وغیرہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کی اپنی ایک الگ اخبار کی حیثیت بھی تھی۔ سوائے چند خبروں کے اور کوئی چیز مشترک نہیں ہوتی تھی اور خبریں تو دوسرے اخباروں کی بھی آپس میں مشترک ہوتی تھیں۔ لیکن اردو جام جہاں نما فارسی کے جام جہاں نما کے ایک سال بعد یعنی مئی 1823ء میں شروع ہوا۔ 2

لیکن امداد صابری ثابت کرتے ہیں کہ یہ 27 مارچ 1822ء سے پہلے اردو میں شروع ہوا چند پرچوں کے بعد فارسی میں نکلنے لگا۔ دوبارہ اردو کا ضمیمہ 23 مئی 1823ء سے شروع ہوا جس کی ضخامت چار صفحات کی ہوتی تھی۔ اس اخبار میں خبروں کے علاوہ مضامین بھی ہوتے تھے جو اکثر انگریزی و فارسی سے ترجمہ کئے جاتے تھے اس میں اردو غزلیں بھی چھپتی تھیں۔ اس کے اردو و فارسی ایڈیشنوں میں یہ فرق ہوتا تھا کہ جب تک فارسی جام جہاں نما کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی اس وقت بھی اردو والے جام جہاں نما میں سرکاری اشتہارات و خبریں شائع نہیں ہوتی تھیں۔ اردو کا یہ پہلا ہفت روزہ چار سال آٹھ مہینے جاری رہنے کے بعد 23 جنوری 1828ء کو بند ہو گیا۔

31 مئی 1826ء کو پنڈت جگل کشور شکلا نے دیوناگری رسم الخط کے پہلے اخبار

1۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، چوڑی والان، دہلی 1953ء، ص 63-62۔

2۔ محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957ء، ص 160۔

3۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، چوڑی والان، دہلی 1953ء، ص 96۔

''آدینت مارتنڈ'' کی ابتداء کی۔اس اخبار کی ضخامت آٹھ صفحات اور چندہ دو روپیہ ماہانہ ہوتا تھا۔ یہ اخبار قریب ڈیڑھ سال تک جاری رہنے کے بعد مالی پریشانیوں کی وجہ سے دسمبر 1827ء میں بند ہو گیا۔

پہلا گجراتی اخبار جس کا نام بمبئی سماچار تھا۔1822ء میں بمبئی سے شائع ہوا اس گجراتی ہفت روزے کے مالک وایڈیٹر مرزبان جی تھے۔اس اخبار کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ مرزبان جی نے اسے پارسی فرقے کا مخصوص اخبار نہیں بنایا بلکہ گجراتی زبان کا ہی اخبار رکھا۔ اس کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے اجراء کے دس سال کے اندر اندر ہفت روزہ سے روزنامہ بن گیا جو گجراتی کا پہلا روزنامہ تھا۔29 جنوری 1780ء یعنی بکی گزٹ کی ابتداء سے 1857ء تک جن انگریزی اخبارات کا پتا لگایا جاسکا ہے ان کی کل تعداد 17 ہے۔جنھیں غیر ملکی یا عیسائی مشنریاں نکالتی تھیں۔ 1

اوپر صرف بنگلہ، فارسی، اردو، ہندی اور گجراتی کے پہلے اخبار کا ذکر کیا گیا، گو کہ 1818ء یعنی پہلے دیسی اخبار سے 1857ء تک دیسی زبانوں کے اخبارات کی تعداد 78 ہے۔جس میں ہر اخبار کے اجراء کی مدت مختلف ہے۔ 2 ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں ان تمام اخبارات کا الگ الگ جائزہ لینا مشکل ہے۔البتہ اس دوران صحافت سے متعلق قوانین میں جو تبدیلیاں آئیں ان کا یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔

اخبار کی آزادی کمپنی کے عہد میں:

جہاں تک ہندستان میں اخباروں کی آزادی کا تعلق ہے وہ ابتداء سے ہی نہیں تھی گو کہ یہاں جدید صحافت کی ابتداء کرنے والے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کے ہم قوم وہم مذہب ہی تھے۔

ہندستان میں اخباروں کے لئے پہلا قانون اٹھارہویں صدی کے

---

1 محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1995ء، ص 42-41.

2 ایضاً ص 45-43.

آخری سالوں یعنی مئی 1799ء میں بنا اور نافذ ہوا۔ جس کی چار ہدایات اس طرح تھیں۔

- ہر اخبار کا اڈیٹر اور مالک اپنے پتے سے حکومت کے سکریٹری کو مطلع کرے۔
- اخبار کے آخری صفحے پر ناشر (پرنٹر) کا نام چھاپا جائے۔
- اتوار کے دن کوئی اخبار شائع نہ کیا جائے۔
- ان قاعدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کو یوروپ بھیج دیا جائے گا۔1
- حکومت کا سکریٹری یا کوئی اور افسر جس کو اس کام کے لئے مقرر کیا جائے۔

جب تک اخبار کے پروف کا معائینہ نہ کرلے اس وقت تک اخبار نہ چھاپا جائے۔

یہ قانون لارڈ ویلزلی نے نافذ کیا تھا اور خصوصاً اس کے دفعہ تین کے نفاذ کا مطلب بنگال میں، (کیونکہ اس وقت زیادہ تر اخبارات بنگال سے نکل رہے تھے) باضابطہ طور پر سنسر کے محکمے کے قائم ہونے کا اعلان کرنا تھا۔

اٹھارہویں صدی میں کسی روزنامے کا اجراء نہیں ہوسکا جو بھی اخبارات تھے وہ ہفت روزہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ روزنامے کے لئے جو شرطیں تھیں ان کا پورا کرنا مشکل تھا اور جو اس کی ضروریات تھیں وہ بھی مہیا نہیں تھیں۔ مثلاً ڈاک کا نظام معقول نہیں تھا۔ گو کہ لارڈ کلائیو نے 1766ء میں ڈاک کے محکمے کی داغ بیل ڈال دی تھی مگر وہ ابھی ترقی نہیں کرسکا تھا۔

کچھ دنوں بعد حکومت نے محسوس کیا کہ اخبارات، نافذ کئے قوانین کی پابندیاں نہیں کررہے ہیں۔ لہذا اخباروں اور چھاپے خانوں پر مزید پابندیاں عائد کردی گئیں۔ نتیجے کے طور پر 1813ء میں لارڈ منٹو سے لارڈ ہیسٹنگز نے چارج لیا تو اس وقت کلکتے، بمبئی اور مدراس کے تمام اخبارات پوری طرح کمپنی کے قابو میں تھے۔

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957ء ص 90.

1811ء میں کمپنی نے سنسر کے ضابطوں کو ان معنی میں اور سخت کر دیا کہ ابھی تک سنسر کے اختیارات اخبارات تک تھے مگر اب نئے ضابطوں کے مطابق ہر قسم کی مطبوعات کو سنسر کے دائرے میں لے لیا گیا، اور اسی کے ساتھ ساتھ سنسر کا محکمہ باقاعدہ طور پر قائم کر کے مسٹر ایڈم کو اس کا افسر اعلاء مقرر کر دیا گیا۔۔ایڈم اخبارات کی آزادی کا دشمن تھا لہذا اس نے تمام قوانین کو سختی سے نافذ کیا۔

1813ء میں لارڈ منٹو کی جگہ لارڈ ہیسٹنگز نے ہندستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ وہ سنسر کے محکمے کو پسند نہیں کرتے تھے لہذا انہوں نے سنسر کے محکمے کو توڑ دیا مگر اسی کے ساتھ ساتھ کچھ ممنوعات نافذ کر دیں جس سے اخبارات پر عائد پابندیوں پر بہت زیادہ فرق نہیں پڑا پھر بھی اخبارات کے مالکوں اور اڈیٹروں نے اسے اپنی بڑی کامیابی پر محمول کیا[1] اور اس سے انھیں کچھ نہ کچھ راحت ضرور ملی۔ مگر کسی بنا پر ہیسٹنگز نے استعفیٰ دے دیا، اور 13 جنوری 1823ء کو ایڈم نے عارضی طور پر ہندستان کے گورنر جنرل کا چارج سنبھالا اور پھر سے اخباروں و چھاپے خانوں پر کڑی پابندیاں عائد کر دیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایڈم نے 4 اپریل 1823ء کو کتابوں، چھاپے خانوں اور اخباروں کے لئے ایک مسودہ قانون سپریم کورٹ کی منظوری کے لئے پیش کیا۔ اور 1823ء کے اپریل میں ہی یہ قانون پاس بھی ہو گیا جس کے تحت بنگال سے کسی زبان یا کسی رسم الخط میں اخبار، رجسٹر، رسائل، پمفلٹ، کتابیں یا کاغذات جن میں عام خبریں یا خفیہ اطلاعات ہوں یا جن میں احکام و قوانین، حکومت کی کاروائیوں پر نکتہ چینی، کسی سیاسی واقعے کا بیان یا اس کا ترجمہ ہو بغیر لائسنس حاصل کئے ہوئے شائع نہیں کیا جا سکتا، اور یہی نہیں اس قانون کے تیرہ دفعات تھے جن میں اور بھی بہت سی پابندیاں تھیں۔ خاص بات یہ کہ اسے دسمبر 1823 میں آرڈیننس کی شکل میں نافذ کیا گیا۔ یہ ہندستان کے پہلے پریس آرڈیننس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے خلاف رام موہن رائے اور کلکتہ جرنل کے

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957، ص 104.

مالک مسز فرگوسن نے سپریم کورٹ وملکہ معظمہ کے یہاں اپیلیں دائر کیں مگر وہ رد کر دی گئیں، اور رفتہ رفتہ اس کا نفاذ مدراس اور بمبئی کے علاقوں پر بھی کر دیا گیا۔ 1

1828ء کے وسط میں لارڈ ولیم نبٹک ہندستان کے گورنر جنرل بنے۔ نبٹک اخباروں کی آزادی کے حامی تھے۔ لہذا ان کے دور میں ہندستانی اخبار نویسی کو تھوڑی راحت ملی۔ نبٹک کے عہد میں بنگلہ اخبار نویسی نے خصوصی ترقی کی، اور ایک خاص بات یہ ہوئی کہ ذو لسانی اخبار نویسی کا چلن بڑھا چنانچہ انگریزی، بنگلہ، ہندی، فارسی اور اردو زبانون کے مشترک اخبار نکلنے لگے۔

ہندستانی اخبار نویسی کی تاریخ میں 6 فروری 1835ء بہت اہم تاریخ تسلیم کی جاتی ہے کیونکہ اس تاریخ کو تین ہندستانی اور چھ انگریزی اخبار نویسوں نے ایک مشترکہ درخواست گورنر جنرل لارڈ نبٹک کی خدمت میں پیش کی۔ اس درخواست میں گورنر جنرل سے استدعا کی گئی تھی کہ

> ''کلکتے میں اخباروں کی اشاعت پر جو پابندیاں ہیں اور کلکتے کے باہر بنگال اور آگرے کی پریسیڈنسیوں میں دیسی زبانوں کی جملہ مطبوعات پر جو بندشیں ہیں وہ صرف بے سود ہی نہیں بلکہ شر انگیز بھی ہیں۔ اس لئے ان کو منسوخ ہو جانا چاہئے۔ ہم درخواست کنندگان مستدعی ہیں کہ اخباروں پر جو پابندیاں مختلف احکام کی شکل میں نافذ کی گئی ہیں واپس لے لی جائیں''2

اس کے علاوہ اسی درخواست میں یہ بھی مانگ کی گئی تھی کہ اخباروں کے لئے ایک باضابطہ قانون بنایا جائے اور ڈاک کے محصول میں کمی کی جائے اور 9 اپریل 1807ء والے اس حکم نامے کو بھی واپس لیا جائے جس کی رو سے گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر کوئی پبلک جلسہ نہیں کر سکتا۔

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957، ص 190۔

2. ایضاً، ص 217۔

نبٹک نے اخباروں کے لئے باضابطہ قانون بنانے کا وعدہ کیا اور دوسری تمام باتوں کا تسلی بخش جواب دیا۔ مگر اس کے ایک ماہ بعد خرابیٔ صحت کی وجہ سے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ ان کی جگہ پر سر چارلس مٹکاف کو عارضی گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ جو اخباروں کی آزادی کا علم بردار تھا، نبٹک نے مشترکہ درخواست کے جواب میں، وعدہ کر کے مٹکاف کے لئے پہلے ہی زمین ہموار کر دی تھی۔ نبٹک نے جو وعدے کئے تھے مٹکاف نے ان ہی کی بنیاد پر اپنی کونسل کے ممبر قانون، مسٹر میکالے کو اخباروں کے لئے ایک باضابطہ قانون مرتب کرنے کے لئے کہا۔ وہ بھی اخباروں کی آزادی کا حامی تھا۔ اس نے مسودۂ قانون ہی مرتب نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ایک طویل نوٹ بھی لکھا۔ جس میں اپنے خیالات کی بڑی قابلیت سے وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

''میں جن قوانین کو منسوخ کئے جانے کی تجویز پیش کر رہا ہوں ان قوانین سے زیادہ نا قابل حمایت شاید ہی دنیا کا کوئی اور قانون ہو، سیاست داں حکمرانوں کا تو یہ دستور ہے کہ وہ اپنے مطلق العنانانہ احکام وقوانین کو مقبول عام ناموں اور پسندیدہ انداز میں پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن اخباروں سے متعلق حکومت ہند کی پالیسی اس اصول کے برعکس ہے۔ ہندستان میں اخباروں کو برسوں سے عملی طور پر، بڑی حد تک، وہی آزادی حاصل رہی ہے جو انگلستان میں اخباروں کو حاصل ہے۔ چنانچہ سیاسی تبصروں سے جو دشواریاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں ان کا ہم آج بھی سامنا کر رہے ہیں۔ لیکن اس قدر معتدل اور مشفقانہ پالیسی برتنے کے باوجود، آئے دن، ہم کو اس کے طعنے سننے پڑتے ہیں اور ملامتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں کہ اخباروں پر ہم نے پابندیاں عائد کر رکھی ہیں'' 1

---

1 بحوالہ محمد عتیق صدیقی، ص 220، Proceeding Home Legislative, May 18, 1835, p1-10

مٹکاف نے میکالے کی تائید کی اور 13 اگست 1835ء کو اس کے حکم نامے کو باقاعدہ قانون کی شکل دے دی گئی۔ اس قانون کا بنیادی خیال یہ تھا کہ ملک کے تمام طبقوں کو اظہار خیال کی آزادی ہونی چاہئے۔

نہ صرف اخبار نویسوں نے بلکہ کلکتہ کی پڑھی لکھی عوام نے مٹکاف کے اس قدم کا خیر مقدم کیا۔ حالانکہ کورٹ آف ڈائریکٹرز کو یہ بات ناگوار گذری اور اس نے مٹکاف کو معزول کر کے آگرہ کا لفٹیننٹ گورنر بنا دیا۔

مٹکاف کے اس نئے قانون کے مطابق اخبارات و کتابوں کو شائع کرنے کے لئے لائسنس حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی، جس کے مطابق برطانوی سرکار کو یہ حق حاصل تھا کہ جسے چاہے اخبار نکالنے کا لائسنس دے اور جسے چاہے نہ دے، مگر ڈیکلریشن داخل کرنے کی شرط لگا دی گئی۔ ڈیکلریشن میں تھا کہ ناشر و طابع اپنا نام و دفتر کا پورا پتہ اور پتے میں ہوئی تبدیلی کی اطلاع متعلقہ دفتر کو دے۔ اگر طابع یا ناشر کمپنی کی حدود حکومت سے باہر جائے تو اس کی جگہ کوئی اور ڈیکلریشن داخل کرے جو کمپنی کی حدود میں موجود ہو۔ اخبار بند ہونے کی اطلاع دینا بھی ضروری قرار دیا گیا۔ یہ تمام چیزیں رسالوں اور کتابوں کے لئے بھی لازمی ٹھہرائی گئیں۔ ان قاعدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کو پانچ ہزار روپیہ جرمانہ اور دو سال کی سزا ہو سکتی تھی۔

مٹکاف کی جگہ لارڈ آک لینڈ ہندستان کے گورنر جنرل بن کر آئے۔ مگر انھوں نے بھی مٹکاف کے بنائے ہوئے قوانین میں کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا۔ نتیجے کے طور پر روزناموں اور ہفت روزوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ 1

مئی 1857ء تک تو وہی قوانین قائم رہے جو مٹکاف اور مکالے نے 1835ء میں نافذ کرائے تھے اور جسے اخبارات کی آزادی سے تعبیر کیا گیا تھا۔ مگر ہندستانیوں نے برطانوی حکومت کے خلاف نافرمانی شروع کی تو 13 جون 1857ء کو

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957، ص 230۔

اخباروں پر پھر پابندیاں عائد کردی گئیں۔ بہت سے اخبارات ہمیشہ کے لئے بند ہوئے تو جنگ آزادی 1857ء ختم ہونے کے بعد، تمام پابندیوں کے باجود، کچھ نئے اخبارات نکلنا بھی شروع ہوئے۔

اردو صحافت کی ابتداء اہم اخبارات ، رسائل اور صحافی:

جام جہاں نما : جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ''جام جہاں نما'' کے ذریعے اردو صحافت کی ابتداء تو 1822ء میں ہوئی۔ مگر اس وقت تک فارسی کا غلبہ لوگوں کے دلوں میں قائم تھا جو اردو صحافت کے ارتقاء میں سدراہ بنا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں اس کا ارتقاء بہت سست رفتاری سے ہوا۔ گو کہ اس وقت تک اردو نثر نے فورٹ ولیم کالج کی وساطت سے، ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کرلی تھیں۔ پھر بھی بڑے شاعر اور ادیب اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے فارسی زبان کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ خط و کتابت میں بھی فارسی ہی ہر دل عزیز تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اردو اخبارات میں بھی اکثر خطوط فارسی میں چھپتے تھے۔ محمد عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

> ''اس وقت تک اردو میں وہ وسعت و گہرائی نہیں پیدا ہوئی تھی کہ اردو میں اخبار نکلنے کے بعد مقبول بھی ہوتے''[1]

فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات اور کالج سے باہر کی اردو نثر عوام میں مقبولیت حاصل کررہی تھی اس کے پیش نظر عتیق صاحب کی رائے سے اتفاق ذرا مشکل ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ فارسی زبان اس وقت تک سرکاری زبان تھی اور کمپنی کے دفتری کام کاج بھی فارسی ہی میں ہوتے تھے مزید یہ کہ فارسی دانی علم کا معیار تھی پھر اس کے وقیع ادب نے بھی لوگوں کو مرعوب کررکھا تھا لہذا اردو ادب کی طرح اردو صحافت کو بھی اس کا سایہ پوری طرح پنپنے نہیں دے رہا تھا۔ لہذا

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، 1957ء ص 263

اردو جام جہاں نما کے اڈیٹر نے لکھا ہے کہ

''قدر شناس جن کی لطف گستری سے اس کاغذ نے رونق پائی اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے اور اہل ہند (اردو) جنھوں کی زبان ہے وہ فارسی تحریر چاہتے ہیں''1

اس کا مزید ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اردو جام جہاں نما میں 15 رمئی 1822ء سے فارسی کا ایک کالم شروع کیا گیا تو وہ اتنا مقبول ہوا کہ جام جہاں نما اردو کے بجائے فارسی ہی میں نکلنے لگا۔ نادر علی خاں اردو صحافت کی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''ابتداً جام جہاں نما صرف اردو میں ہی شائع ہوتا تھا اور بقول جان بل اخبار مذکورہ میں مالک و مدیر اور طابع کے اسمائے گرامی درج نہیں ہوتے تھے۔ حتی کہ شمارہ نمبر کا بھی اہتمام نہیں تھا۔ آٹھویں شمارے (مورخہ 15 رمئی 1822ء بروز بدھ) سے فارسی کا ایک کالم شروع کیا گیا جو اس درجہ مقبول ہوا کہ دو شماروں کے بعد اخبار اردو کے بجائے فارسی ہی میں شائع ہونے لگا اور اسی اشاعت کے ساتھ شمارہ نمبر کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اس طرح گویا 29 رمئی 1822ء سے فارسی کے دور کا آغاز ہوا''2

گو کہ منشی سدا سکھ لال نے ایک سال بعد اس کا احیا کیا مگر کبھی کبھی یہ بند بھی ہو جاتا تھا۔ اور اس کے بعد 1837ء تک کوئی دوسرا اردو اخبار نظر نہیں آتا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی برتری کو مزید تقویت پہنچانے اور مغل دربار کی حیثیت پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی غرض سے 1830ء میں فارسی کی سرکاری زبان کی حیثیت کو ختم کر کے اردو کو سرکاری زبان بنا دیا۔ اس سے انگریزوں کو سیاسی فائدہ پہنچا یا نہیں البتہ

---

1. بحوالہ محمد عتیق صدیقی، ص263، جام جہاں نما (اردو) مورخہ 22 جنوری، 1828.
2. نادر علی خاں، اردو صحافت کی تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1987ء، ص36.

اردو زبان کو اس سے بہر صورت فائدہ ہوا۔ اور اس کی نشو ونما پر خوشگوار اثر پڑا۔ اردو کی تدریس و تعلیم بڑھ گئی۔ عدالتوں اور دفتروں میں اردو میں کام ہونے لگا، اردو اخبارات کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔

اردو صحافت کو انگریزی صحافت سے کچھ صحت مند روایات ورثے میں ملیں اور اس نے اسی کا اثر قبول کیا۔ اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ ابتداء سے ہی انگریزی صحافت کی طرح اس کے مخاطب بھی عوام تھے۔ ان کی ہی دل چسپی کو اس نے اولین اہمیت دی اسی کی مناسبت سے زبان استعمال کی اور اسی طرح کا انداز بیان اختیار کیا۔ مزید یہ کہ اس وقت کے زیادہ تر اردو اخبارات نے سرکاری گزٹ یا نیوز لیٹر بننے کے بجائے ابتداء میں ہی اپنا الگ تشخص قائم کیا۔

ابتداء میں اردو اخبارات ہفت روزہ یا سہ روزہ تھے۔ ان میں الگ سے اداریہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی کسی خبر کے ساتھ دو تین سطروں کا تبصرہ درج کر دیا جاتا تھا۔ وافر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد اشاعت بھی محدود ہوتی تھی۔ یہ شروع میں خبریں عموماً دو ذرائع سے حاصل کرتے تھے۔ ایک تو انگریزی اخبارات سے دوسرے دیسی ریاستوں کے قلمی اخبارات سے۔ اس وقت کی خبروں میں آج کی طرح سرخیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔

دھلی اردو اخبار: دیسی مطبوعہ صحافت کے تحت اردو کے پہلے اخبار ''جام جہاں نما'' کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اردو کا دوسرا اخبار ''دہلی اخبار'' ہے۔ محمد حسین آزاد اور کئی دوسرے لوگوں نے اسے اردو کا پہلا اخبار بتایا ہے مگر بعد کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ اردو کا نہیں بلکہ دہلی اور شمالی ہند کا پہلا مطبوعہ اخبار ہے۔ اس کا اجراء 1837ء میں ہوا اور اسے جاری کرنے والے محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر تھے۔ 13 رمئی 1840ء تک اس کا نام ''دہلی اخبار'' رہا پھر 10 رمئی 1840ء سے اس کا نام ''دہلی اردو اخبار'' ہو گیا۔ نام کی تبدیلی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی جام جہاں نما کی طرح یہ بھی ہفت روزہ تھا اور آخر تک ہفت روزہ ہی رہا۔

اس اخبار کی قسمت میں آخری دنوں میں نام کی ایک اور تبدیلی لکھی ہوئی تھی۔

لہذا 12/جولائی 1857ء کو اس کا نام بدل کر ''اخبار الظفر'' رکھ دیا گیا۔ تبدیل کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ بہادر شاہ ظفر نے اپنے نام کی مناسبت سے ''اس اخبار کا (نام) ازراہ کمال رافت وظرافت کے اخبار الظفر بہ دستخط خاص مرحمت'' کیا تھا[1]۔ اس نام سے یہ اخبار 13/ستمبر 1857ء تک نکلتا رہا۔ اس کا آئندہ شمارہ 20 ستمبر کو نکلنا تھا مگر اس کے پہلے ہی دہلی کی دنیا بدل گئی اور اخبار بند ہو گیا۔

مولوی محمد باقر کے والد مولانا اکبر دہلی کے نامی گرامی مجتہد تھے اور ان کے گھر میں دینی مدرسہ چلتا تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے بیٹے کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی دلوائی تھی۔ لہذا مولوی محمد باقر نے ابتداء میں تحصیل داری کے عہدے پر کام شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد والد کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ملازمت ترک کر کے گھر کے مدرسے میں درس و تدریس شروع کر دی۔ 1836ء میں پریس کو آزادی ملی تو انھوں نے ''دہلی اخبار'' نکالنا شروع کیا۔ اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی کے دوران انھیں انگریزوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وہ جنگ آزادی کے پہلے شہید صحافی تسلیم کیے جاتے ہیں۔

مولوی محمد باقر کی شہادت کے سلسلے میں آغا محمد باقر اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

> ''جب دہلی میں غدر پڑا مولانا (محمد حسین آزاد) کی عمر کوئی تیس برس کی تھی۔ دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر ان کے والد کے گہرے دوست تھے۔ وہ کالج کے کچھ کاغذات لے کر مولانا کے گھر آ گئے اور کئی دن چھپے رہے۔ آخر باغیوں کو پتہ چل گیا کہ مسٹر ٹیلر مولانا کے یہاں روپوش ہیں۔ دروازے کے سامنے بہت سے شورہ پشت جمع ہو گئے اور شور مچایا کہ ٹیلر کو ہمارے حوالے کر دو۔ سمجھانے بجھانے سے یہ لوگ تو چلے

---

1 محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957ء، ص396.

گئے مگر مسٹر ٹیلر اپنے کو غیر محفوظ سمجھنے لگے۔ دوسرے دن علی الصبح وہ اپنے ضروری کاغذات مولانا باقر کے حوالے کر کے گھر سے نکلے کہ کشمیری دروازے سے باہر نکل جائیں اور انگریزی فوج سے جاملیں۔ لیکن باغی ان کی تاک میں تھے۔ انھوں نے نکلتے ہی بھانپ لیا۔ وہ بھاگ کر مولانا باقر کی مسجد میں گھس گئے۔ انھوں نے وہاں سے بھی گھسیٹ نکالا۔ اور پاؤں میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹتے پھرے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو مولانا محمد باقر مسٹر ٹیلر کی ہدایت کے بموجب ان کے کاغذات لے کر انگریز حاکم کے پاس پہنچے وہ کاغذات دیکھتے ہی آگ بگولہ ہوگیا اور پوچھا مسٹر ٹیلر کہاں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ انھیں لوگوں نے ماردیا۔ اس نے حکم دیا ،انھیں گرفتار کرلو اور گھر لوٹ کر ضبط کرلو۔ ادھر مولانا گرفتار ہوئے ادھر کامیاب سپاہی گھر میں گھس آئے گھر میں بائیس نیم جاں تھے۔ سنگین دکھا کر انھیں گھر سے نکال دیا۔ اور تمام املاک بحق سرکار ضبط ہوگئی.....دو چار روز بعد معلوم ہوا کہ انھیں گولی ماردی گئی''.[1]

اس وقت کے دوسرے اردو اخبارات کی طرح اس میں بھی اداریہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن خبروں کے ساتھ دیئے گئے تبصروں میں انگریزوں کی خویش پروری، پولس کی نااہلی اور دیگر سرکاری محکموں کی بدعملی پر تنقید ہوتی تھی۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس اخبار نے 1857ء کی جنگ آزادی کی فضا تیار کی۔ امداد صابری نے ''تاریخ صحافت اردو جلد اول میں صفحہ 121 سے 221 تک ''دہلی اردو اخبار کے جو اقتباسات پیش کئے ہیں۔ ان سے بھی اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

---

1. آغا محمد باقر، محمد حسین آزاد (مقالہ)، نقوش، شخصیات نمبر، لاہور، 1955ء، ص 9.

گوکہ مولوی محمد باقر کی دوستی مسٹر ٹیلر سے تھی پھر بھی وہ انگریزوں کے مخالف اور جنگِ آزادی کے حامی تھے۔ مولوی عبدالحق نے ''مرحوم دلی کالج'' میں اور منشی ذکاؤاللہ نے ''تاریخ عروج سلطنت انگلیشیہ'' میں ٹیلر کو مولوی محمد باقر کا دوست کہا ہے۔ مگر مولانا امداد صابری لکھتے ہیں کہ ٹیلر دہلی میں عیسائیت کی تبلیغ کا سب سے بڑا محرک تھا اور مولوی محمد باقر عیسائیت کے خلاف اپنے اخبار میں لکھتے رہتے تھے۔ جس سے ٹیلر مولوی محمد باقر سے شاکی رہتا تھا[1] جس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مولوی محمد باقر کی ٹیلر سے معمولی جان پہچان اور رسمی سا ملنا جلنا رہا ہوگا۔

1857ء سے پہلے نکلنے والے اخبارات میں مولوی محمد باقر کا یہ اخبار سب سے بہتر، بااثر اور دلیر اخبار تھا۔ اس اخبار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں صحافت سے فطری لگاؤ تھا۔ مولوی محمد باقر نے اپنے اخبار کو اس نہج پر ڈھالا جس میں جدید صحافت کا سلیقہ تھا۔ مثلاً انھوں نے ہر کالم میں عنوان یا مواد کی دل چسپی پیدا کی۔ خبروں پر خصوصی توجہ دی۔ دہلی کے حالات کو دو عنوان کے تحت لاتے تھے۔ مغلیہ دربار سے متعلق خبروں کے لئے ''حضور والا'' کا عنوان اور کمپنی سے متعلق خبروں کے لئے ''صاحب کلاں بہادر'' کا عنوان اختراع کر رکھا تھا۔ وہ دہلی کی ادبی اور سماجی خبریں اتنے دل چسپ طریقے سے پیش کرتے تھے کہ دوسرے اخبارات انھیں نقل کرتے تھے۔ گوکہ ان کا یہ اخبار ہفت روزہ تھا۔ مگر خبروں کے لحاظ سے اس میں روزنامے کی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔

سید الاخبار: محمد عتیق صدیقی، سید الاخبار کو دہلی کا دوسرا اردو اخبار گردانتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ نہ جانے کیسے مارگریٹا بارنس کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ یہ اردو کا پہلا اخبار ہے۔[2]

بہر حال دہلی کے اس دوسرے اردو اخبار کو نکالنے والے سر سید احمد خاں کے

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، دہلی، 1953ء، ص 19-215.
2. محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، 1957ء ص 277.

بڑے بھائی سید محمد خاں تھے۔ امداد صابری کے مطابق یہ ہفت روزہ 1837ء سے نکلنا شروع ہوا[1]۔ سید محمد خاں چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لئے اس کے ایڈیٹر مولوی عبدالغفور تھے۔ یہ اخبار اس وقت نکلنا شروع ہوا جب سر سید کی عمر 18-17 سال تھی۔ یہ اخبار 1848ء تک جاری رہا۔ سید محمد خاں کا انتقال 1846ء میں ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد سر سید احمد خاں نے اخبار کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ حالانکہ وہ پہلے بھی اس میں دل چسپی لیتے اور مضامین لکھتے تھے۔ مولانا حالی حیات جاوید میں رقم طراز ہیں:

> ''سر سید ابتداء سے نہایت فراخ حوصلہ اور کشادہ دل تھے۔ خرچ کی تنگی سے اکثر منقبض رہتے۔ لہذا ان کو یہ خیال ہوا کہ کسی تدبیر سے تنگی رفع ہو۔ سید الاخبار جو ان کے بھائی کا جاری کیا ہوا اخبار تھا۔ کچھ تو اس کو ترقی دینی چاہی اور کچھ عمارات دہلی کے حالات جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ سید الاخبار کا اہتمام اگرچہ برائے نام ایک اور شخص کے سپرد کر رکھا تھا۔ مگر زیادہ تر سر سید خود اس میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ لیکن یہ اخبار ایک مدت جاری رہ کر بند ہوگیا''[2]

1857ء کے اخبارات میں، سید الاخبار سے مرزا غالبؔ کے خصوصی تعلقات تھے۔ غالبؔ سے سر سید کے تعلقات اس کا جواز پیدا کر دیتے ہیں۔، مرزا غالبؔ اپنے ایک خط میں جو میجر جان کوب کے نام ہے اس کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔[3]

صادق الاخبار: اس زمانے میں دہلی سے نکلنے والا ''صادق الاخبار'' بھی

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، دہلی، 1953ء، ص 222.
2. محمد الطاف حسین حالی، حیات جاوید، ترقی اردو بیورو، نئی دلی، 1990ء، ص 65.
3. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، دہلی، 1953ء، ص 222.

نہایت جری اور بے باک اخبار تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس نام کے کئی اخبار دہلی سے نکلے۔ جن کے اجراء کی مدت اور اڈیٹر مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک یا دو صادق الاخبار کا ذکر 1857ء کی جنگ آزادی کے سلسلے میں بھی بار بار آتا ہے۔ جن میں اس وقت حقیقی واقعات شائع ہوتے تھے۔ اس میں سے ایک اخبار کو بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں ثبوت کے لئے بھی پیش کیا گیا تھا۔ مگر وہ کون سا صادق الاخبار ہے اس میں اختلاف ہے۔

کوہ نور: 1857ء سے پہلے اردو اخباروں میں کوہِ نور کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اسے 1850ء میں منشی ہرسکھ رائے نے لاہور سے جاری کیا، گو کہ یہ بلا لحاظ مذہب وملت ہندو، مسلمان اور عیسائی اڈیٹروں کے ہاتھ میں رہا، پھر بھی یہ انگریزوں کا خوشامدی اخبار تھا اسی لئے اسے انگریزوں اور رجواڑوں کی سرپرستی حاصل تھی نتیجتاً اس نے لمبی عمر پائی۔ ویسے تو یہ ہفت روزہ تھا مگر جلد ہی یہ ہفتے میں دو بار پھر تین بار شائع ہونے لگا۔ اجراء کے ابتدائی سال میں ہی اس کی تعداد 227 کاپیوں تک پہنچ گئی جو اس زمانے کے لحاظ سے ایک بڑی تعداد تھی۔ اس نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی طرف داری تو کی، لیکن ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد انگریزوں کی معاندانہ کاروائیوں جیسے مجاہدین آزادی کی پکڑ دھکڑ، املاک کی ضبطی، مکانوں کے انہدام، مقدمات اور سزاؤں کی خبریں بڑی تفصیل سے شائع کرتا تھا۔ جس سے یہ تو ہوا کہ لوگ اس وقت کے کوائف سے باخبر ہوئے۔ 1

1857ء سے پہلے کچھ ایسے جرائد بھی شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جن کا مقصد خبروں کی ترسیل سے زیادہ جدید مغربی نظریات کو پھیلانا سائنسی انکشافات سے واقف کرانا نیز سائنسی نقطہ نظر پیدا کرنا تھا۔ ان میں سے کچھ تو خالص علمی وادبی تھے۔

خیر خواہ ہند: ایسے ہی رسائل کی ایک کڑی خیر خواہ ہند ہے۔ جو 1857ء میں مرزا پور سے شائع ہوا۔ امداد صابری لکھتے ہیں ''اختر شہنشاہی کا مولف اس کا سنہ اجراء

1۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، چوڑی والان، دہلی 1953ء، ص 419-371۔

اگست 1846ء لکھتا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ دتا سی نے اپنے خطبہ مورخہ 5 مئی 1859ء میں 1837ء تحریر کیا ہے''1 یہ ٹائپ میں چھاپا جاتا تھا اور اس کے اڈیٹر ایک عیسائی پادری آر سی. ماتھر تھے یہ کل بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ اردو کا پہلا رسالہ ہے۔ اس کے بارے میں محمد عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

''قاضی عبدالغفار کا خیال تھا کہ ''خیر خواہ ہند'' اردو کا پہلا اخبار تھا۔ یہ اخبار نہیں بلکہ رسالہ تھا۔ اب تک اردو میں جو اخبار شائع ہوتے تھے۔ خیر خواہ ہند ان سے بالکل مختلف تھا۔ اس میں خبریں نہیں بلکہ مضامین ہوتے تھے''2

اس کی کچھ فائلیں انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ یہ رسالہ فارسی اور لاطینی میں بھی چھپتا تھا۔ چونکہ اسے عیسائی پادری نکالتے تھے لہذا 1857ء کی جنگ آزادی میں اس کا دفتر وغیرہ لوٹ کر تہس نہس کر دیا گیا۔ دوبارہ انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو 1861ء سے پھر نکلنا شروع ہوا۔ گو کہ اس کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا مگر اس میں بھاپ کی کلوں، دخانی جہازوں، انگلستان کی آہنی سڑکوں اور جدید چھاپے خانوں وغیرہ پر بھی مضامین ہوتے تھے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ امداد صابری کے اس قول سے ہوتا ہے:

''لیتھو مشینوں کے مضمون کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ خیر خواہ ہند میں کس قدر مفید معلوماتی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ خیر خواہ ہند کی غرض اپنی قوم اور ملک کا پروپیگنڈہ ہی کیوں نہ ہو''۔3

قرآن السعدین: اسی طرح دہلی کالج کے پرنسپل اسپرنگر نے 1845ء

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، دہلی، 1953ء، ص226.
2. محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخباری نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، 1957ء، ص279.
3. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، دہلی، 1953ء، ص228.

میں ایک ہفت روزہ ''قرآن السعدین'' کے نام سے جاری کیا۔ اس کے بارے میں گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ

''یہ ایک باتصویر اخبار ہے جس میں سائنس، ادب اور سیاست سے بحث ہوتی ہے۔.....اس کا مقصد اپنے ہم وطنوں میں مغربی خیالات کی اشاعت ہے۔ ہفتے میں ایک بار شائع ہوتا ہے''1

اس رسالے میں خبروں کے ساتھ ساتھ مضامین اور شاعری بھی شائع ہوتی تھی۔ کالج کی خبروں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

فوائد الناظرین: فوائد الناظرین ایک ہفت روزہ اخبار تھا جسے 1845ء میں ماسٹر رام چندر نے شائع کیا۔ جو دلی کالج کے استاد اور وہیں کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ ایک باتصویر علمی و تاریخی رسالہ تھا۔ ابتداء میں اس کی ضخامت چار صفحے تھی لہذا خبروں کی گنجائش کم ہوا کرتی تھی۔ اڈیٹر کو اس طرف متوجہ کیا گیا تو 1847ء میں انھوں نے اس کی ضخامت بڑھا کر آٹھ صفحے کر دی اور اس میں خبروں کا بھی اضافہ کر دیا۔

ماسٹر رام چندر کا دوسرا علمی و ادبی رسالہ ''محب ہند'' تھا جو 1847ء سے جاری ہوا۔ یہ ایک ماہانہ تھا۔ جس کی ضخامت شروع میں پچاس صفحات تھی کچھ دنوں بعد چھپن 56 صفحات ہوگئی۔ محب ہند کا پہلا نمبر ''خیر خواہ ہند'' کے نام سے نکلا۔ دوسرے نمبر سے اس کا نام بدل کر محب ہند کر دیا گیا۔ نام میں تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ ''خیر خواہ ہد'' کے نام سے ایک رسالہ مرزا پور سے نکلتا تھا جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ مگر ماسٹر رام چندر کو اس کا علم نہ تھا۔ علم ہوا تو انھوں نے اس کا نام بدل دیا۔2

ان دونوں جرائد کو جاری کرنے کا مقصد، ان پڑھے لکھے لوگوں کو جدید فلسفہ و علوم سے واقف کرانا تھا۔ جو ہر نئی چیز سے بے نیاز رہنا چاہتے تھے۔ ان میں سوانح، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی اور طبیعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ سرسید کی

1. گارساں دتاسی، خطبات گارساں دتاسی (اردو ترجمہ)، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1935ء، ص 31.
2. محمد عتیق صدیقی، ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، 1957ء، ص 345.

سائنٹفک سوسائٹی سے پہلے کی گئی جدید علوم کی ترویج کی یہ کوشش قابل داد ہے۔ان رسائل سے اردو زبان وادب کو بھی بے حد فروغ ملا۔ اس میں نئے مضامین نئے خیالات اور نئی اصطلاحات والفاظ شامل ہوئے۔البتہ 1848ء کی سرکاری رپورٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دلی کالج کے زیادہ تر متوسلین کمپنی کے آلہ کار تھے اور کمپنی کے اعلا حکام کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔لہذا رپورٹ میں ایک جگہ درج ہے:

''طباعت کے بعد قرآن السعدین کی ایک کاپی مقامی کمیٹی کے ممبر جے. پی. گیوبنس (J.P.GUBBINS) اور فوائد الناظرین اور محب ہند کی ایک ایک کاپی مقامی کمیٹی کے عارضی سکریٹری مسٹر ٹیلر کو بھیجی جائے گی۔ یہ حضرات اس کا بغور مطالعہ کریں گے''1

نادر علی خاں ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''مغربی علوم فنون کو عام کرنے صحیح علمی ذوق پیدا کرنے حاکم ومحکوم کے رشتے کو استوار کرنے اور معلومات عامہ کے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے اخبارات نے غیر معمولی خدمات انجام دیں لیکن انیسویں صدی کے اوائل ہی سے سرکار کمپنی بہادر کا رویہ معاندانہ رہا اور ایسی اذیت انگیز اور جارحانہ حکمت عملی اختیار کی گئی۔جس کے باعث علوم کی اشاعت محدود ہو کر رہ گئی''2

1822ء سے 1857ء کے درمیان ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اخبارات نکلتے اور بند ہوتے رہے۔ان کی تفصیل یہاں اتنی اہم نہیں ہے،البتہ اہم یہ ہے کہ ان اخباروں نے اردو صحافت کو جس روش پر ڈالا تھا۔اس میں تابنا کی 1857ء کے بعد پیدا ہوئی۔مزید یہ کہ ان اخبارات نے 1857ء کی جنگ آزادی میں بہت اہم رول ادا کیا۔

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد اول، دہلی، 1953ء، ص249.
2. نادر علی خاں، اردو صحافت کی تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1987ء، ص65-164.

انھوں نے انگریزوں کے ظلم وزیادتیوں کی خبروں کے ساتھ ساتھ ہندستانی عوام کے سامنے برطانوی حکومت کی صحیح تصویر بھی پیش کی جس سے ان کے جذبہ آزادی کو مزید تقویت ملی۔

ہندستانی اخبار نویسی کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس کا مزاج ابتداء سے ہی باغیانہ تھا ابتداء میں جو اخبارات نکلے وہ سیدھے سادھے اصلاحی یا علمی وادبی اخبارات ورسائل ہوا کرتے تھے مگر ان کی خبروں اور مضامین میں غم وغصے کی زیریں لہریں پائی جاتی تھیں 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی اور انگریزوں کے معاندانہ و پرتشدد رویے نے غم وغصے کی زیریں لہر کو اور تیز کردیا۔لہذا اردو صحافیوں نے اس نازک دور میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے بڑی حکمت عملی کے ساتھ مختلف انداز میں ہندستانیوں کی آواز کو ابھارنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔چنانچہ رفتہ رفتہ انیسویں صدی کے اختتام تک ہندستانیوں میں آزادی کا جذبہ بھرپور اور منظم طریقے سے ابھرا۔

1858ء سے 1900ء کے عرصے میں جو اہم اخبارات نکلے ان کا یہاں جائزہ لیا جارہا ہے۔

1858ء میں اردو کا پہلا روزنامہ ''اردو گائڈ'' کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا۔اسے خان بہادر مولوی کریم الدین نکالتے تھے۔یہ انگریزوں کا خوشامدی اخبار تھا سوائے اس کے کہ یہ اردو کا پہلا روزنامہ تھا اس کی کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو بیان کی جائے۔1858ء میں دوسرا روزنامہ ''روزنامہ پنجاب'' لاہور سے شائع ہوا۔

اخبار سائنٹفک سوسائٹی: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا سرسید احمد خاں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ''سید الاخبار'' میں مضامین لکھ کر کیا۔مگر اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے بعد اس اخبار کی ادارتی ذمہ داریاں سنبھال کر انھوں نے اپنی عملی صحافت کی ابتداء بھی کردی تھی۔مگر یہ اخبار کچھ عرصے کے بعد بند ہوگیا۔دوبارہ ان کی تعمیری صحافت کی ابتداء 1866ء میں سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعے ایک ہفت روزے سے ہوئی۔اس اخبار کے اردو ایڈیشن کا نام ''اخبار سائنٹفک سوسائٹی'' اور انگریزی ایڈیشن کا نام ''دی علی گڈھ انسٹی

ٹیوٹ گزٹ'' تھا۔ اس کے اڈیٹر خود سرسید احمد خاں تھے۔ اردو صحافت کے ارتقا میں اس اخبار کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اس نے صحافت میں آزادی رائے، سنجیدگی اور صحت واقعات پر زور دیا۔ سرسید نے اپنے ایک خط میں راجہ جے کشن داس کو لندن سے لکھا:

''مجھ کو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ حضور نواب لفٹننٹ گورنر بہادر نے آپ کی سوسائیٹی کی بڑی دست گیری کی ہے اور صاحب ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن بہادر اضلاع شمال ومغرب نے بھی بہت بڑی اعانت اور پرورش فرمائی ہے، نہایت خوشی ہوئی اور خدا کا بہت بہت شکر یہ کیا۔ مگر اے مائی ڈیر راجا اپنی سوسائیٹی اور اخبار کی آزادی کو ہرگز ہاتھ سے مت دنیا'' 1

اس اخبار نے جدید تعلیم کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس نے اردو زبان کو سلیس سادہ اور عام فہم بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ اس سے قبل اردو صحافت میں اداریئے لکھنے کا رواج نہ کے برابر تھا۔ اخبار سائنٹفک سوسائٹی نے اسے عام کیا۔ اس کے اداریئے چند ایک کو چھوڑ کر زیادہ تر سرسید نے خود لکھے۔ ان میں نہ تو ہنگامہ خیزی ملتی ہے نہ بیجا جوش وخروش۔ لیکن اس کی بڑی خوبی کسی بھی مسئلے پر قارئین کو دلائل سے مطمئن کرنا تھی۔ اس میں مسلم ممالک کے سیاسی نشیب وفراز پر کافی اداریئے ملتے ہیں۔ 1877ء میں ترکی اور رُس کی جنگ کی خبریں قارئین تک جلد پہنچانے کی غرض سے اسے ہفت روزہ سے سہ روزہ کر دیا گیا۔

تہذیب الاخلاق: اس کے علاوہ سرسید نے 1879ء میں ایک اخبار (رسالہ) تہذیب الاخلاق کے نام سے جاری کیا۔ انگریزی میں اس کا نام ''دی محمڈن شوشل ریفارم'' تھا۔ اردو میں یہ ہر ماہ تین بار شائع ہوتا تھا۔ یہ چھ سال تک جاری رہا۔

اس اخبار نے مسلمانوں کو فرسودہ روایات وخیالات اور بیجا رسم ورواج اندھی تقلید ترک کرنے اور تعلیم نسواں وہر قسم کے علوم وفنون سے استفادہ کرنے کی ترغیب دی۔

1. خلیق احمد نظامی، سرسید احمد خاں (ترجمہ اصغر عباس) پبلیکیشن ڈویژن نئی دہلی، 1971ء، ص 78.

سر سید احمد خاں نے اردو صحافت کو صداقت، بے خوفی اور بے غرضی کی اعلی روایات سے اس وقت روشناس کرایا جب وہ عہد طفولیت میں تھی۔انھوں نے صحت مند صحافت کی، کبھی کسی پر کیچڑ نہیں اچھالا اور نہ ہی بیجا تنقید کی۔سر سید نے اخبار کو محض خبروں کی ترسیل کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اس سے معاشرے کی اصلاح کا کام بھی لیا۔

1874ء میں منشی نول کشور کا ہفت روزہ ''اودھ اخبار'' روزانہ ہوگیا اور بدلے ہوئے حالات میں ملک وقوم کی خدمت کرتا رہا۔ان ہی دنوں لاہور سے اخبار عام نکلا۔اس کی قیمت صرف ایک پیسہ تھی۔جو اس زمانے کے لحاظ سے بھی بہت کم تھی۔یہ ایک نہایت پر خبر اور معیاری اخبار تھا۔لہذا عوام میں بے حد مقبول ہوا۔اس سے بہتوں کو اخبار نویسی کی تحریک ملی۔

اودھ پنج: اودھ پنچ ایک ہفت روزہ تھا جو لکھنؤ سے 1877ء میں نکلنا شروع ہوا۔اس کے مالک منشی سجاد حسین تھے وہ ایک حقیقی صحافی تھے انھوں نے خبروں کی تجارت نہیں کی بلکہ عوام کے حقوق کے لئے لڑتے اور جبر وظلم کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔

یوں تو اودھ پنچ ایک مزاحیہ اخبار کے طور پر مشہور ہے مگر یہ بڑے بڑے سیاسی اور سوشل معرکے سر کرتا تھا۔مزاحیہ ہوتے ہوئے بھی یہ عوام کا ترجمان تھا اور ابتداء سے ہی برطانوی حکام کی ملک وقوم دشمن حرکتوں کے خلاف اپنے مخصوص انداز میں لکھتا رہتا تھا۔الحاق اودھ، انکم ٹیکس اور البرٹ بل کے متعلق آزادنہ تبصرے اور نکتہ چینی اس کی مثال ہے۔اودھ پنچ نہ صرف برطانوی حکام کی چیرہ دستیوں کو بلا خوف بیان کرتا تھا بلکہ ہندستانی ریاستوں کی بے راہ روی پر بھی بے باکانہ تبصرہ کرتا تھا۔6 ستمبر 1881ء کے شمارے میں مہاراجہ کشمیر کی بدعنوانیوں کا ذکر اس کا ثبوت ہے۔[1]

اودھ پنچ کے مضامین کے عنوانات کا دائرہ لامحدود تھا۔دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص 90-80۔

جواودھ پنچ میں موجود نہ ہو۔ خصوصا لکھنؤ کی طرز معاشرت کے پر مذاق اور دلکش مضامین سے اس کے صفحات بھرے ہوتے تھے۔محرم، چہلم ،عید،شب برات، ہولی،دیوالی، بسنت کے جلسے،عیش باغ کے میلے، شاعری ، پتنگ بازی، بٹیر بازی،مرغ بازی،الیکشن کے معرکے غرض کیا چیز تھی جو اس کی دسترس سے باہر تھی۔ پڑھا لکھا طبقہ اس سے اچھی طرح واقف ہے کہ اس میں چھوٹے چھوٹے چٹکلوں اور لطیفوں کے ساتھ ساتھ صحت زبان کے متعلق اور شعراء کے کلام اصلاح واعتراض کی جھڑپوں اور مباحثوں کا سلسلہ سالہا سال چلتا تھا۔

پیسہ اخبار: 1863ء میں ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں بھروکی میں ایک بچے نے آنکھ کھولی جس کا نام محبوب عالم رکھا گیا۔اس نے آگے چل کر اردو صحافت کو نئی جہتوں اور نئے رجحانات سے روشناس کرایا۔اور اپنی سوجھ بوجھ سے صحافت کو خدمت خلق کے ساتھ ساتھ تجارت کا اچھا ذریعہ بھی بنایا۔

بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے محبوب عالم کی مالی حالت اچھی نہ تھی لہذا وہ اعلی تعلیم حاصل نہ کر سکے البتہ پرائیویٹ طور پر منشی اور منشی عالم کے امتحانات میں پورے صوبے میں اوّل آئے۔ خلعت کے ساتھ وظیفہ بھی ملا۔ [1] شروع میں ان کی رغبت زراعت، باغبانی اور دیہی صنعت وحرفت کو فروغ دینے میں تھی۔ پھر بھی انھوں نے ادھر ادھر سے امداد لے کر اپنے آبائی وطن گوجرانوالہ میں حصول معاش کے لئے ایک چھاپہ خانہ ''خادم التعلیم'' کے نام سے قائم کیا۔ایک سال کے اندر یعنی 1881ء میں ایک ماہ نامہ ''زمیندار'' جاری کیا۔ پرچے کی طباعت واشاعت کا سارا کام خود ہی انجام دیتے تھے۔اس کی فروخت کا کام ان کے بھائی منشی عبدالعزیز کے سپرد تھا۔ پریس اور ماہ نامے کے حوصلہ افزاء تجربے کے بعد اگلے ہی سال ہفت روزہ ''ہمت'' جاری کیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد ایک ہفتہ وار ''اسکول ماسٹر'' نکالا۔ [2]

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص 521.
2. ایضاً، ص 522

محبوب عالم ''اخبار عام'' سے بہت متاثر تھے جس کی قیمت اس وقت ایک پیسہ ہوتی تھی۔اسی سے تحریک لے کر 1887ء میں ہمت کو پیسہ اخبار میں تبدیل کر کے گوجرانوالہ سے شائع کیا اور اس کی قیمت ایک پیسہ رکھی جو اس وقت کے دوسرے اخبار کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

چھاپے خانے سے کچھ سرمایہ اکٹھا ہوا تو منشی محبوب عالم ''پیسہ اخبار'' کو مزید وسعت دینے کے خیال سے 1889ء میں گوجرانوالہ سے لاہور منتقل ہو گئے۔ جہاں انھوں نے 1897ء سے اس اخبار کے ہفت روزہ ایڈیشن کے علاوہ روزانہ ایڈیشن بھی نکالے لیکن 1899ء میں روزانہ ایڈیشن بند ہو گیا۔ منشی محبوب عالم سفر یوروپ سے واپس آئے تو انھوں نے 1904ء میں روزانہ ایڈیشن پھر شروع کیا۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''1997 میں جب پہلے روزانہ اخبار کیا تھا (جاری) اس وقت اس کے آٹھ صفحے تھے۔ مگر اس بار اس کا سائز دگنا کر دیا گیا۔ جس سے نہ صرف اخبار ہی مقبول ہوا بلکہ یہ سائز ایسا پسند کیا گیا کہ اس کے بعد جس قدر روزانہ اخبار اردو کے جاری ہوتے وہ اسی اخبار کی تقطیع پر چھپتے تھے اور کئی ہفتہ وار اخباروں نے بھی یہی تقطیع کر دی تھی''۔ 1

انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اخبارات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ جس میں خواتین کے لئے ''شریف بی بی'' اور زراعت و کاشت کاری کے فروغ کے لئے ''باغبان''، طلبہ کے لئے ''کلید امتحان''، بچوں کے لئے ماہانہ ''بچوں کا اخبار'' اور انگریزی خواں حضرات کے لئے ''دی سن'' (THE SUN) کے نام سے انگریزی اخبار نکالا۔ ان کے ہر اخبار و رسائل نے اپنے اپنے میدان میں قبولیت حاصل کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے مالی معاملات کو کاروبار کی سطح پر پوری توجہ کے ساتھ برتا۔ عوام کی ضروریات اور مناسبت سے اپنے اخباروں میں، تحریریں شائع کیں، چنانچہ روزمرّہ زندگی کے مسائل سے

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص 524۔

متعلق اداریئے اور مضامین کثرت سے شائع کئے۔ دوسرے معاصر اخبارات کے مقابلے میں اپنے اخبارات ورسائل کی قیمت کم رکھی۔ جس سے خریدار زیادہ بنے۔ اس سے تعداد اشاعت بڑھی تو اشتہارات میں اضافہ ہوا۔ 1

منشی محبوب عالم نے صحافت کے جدید رجحانات سے واقفیت حاصل کرنے اور اپنے اخبارات کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے یوروپ کا جو دورہ کیا اس کے متعلق امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''سرسید کے بعد یہ دوسرے صحافی تھے جنھوں نے یوروپ کے اخباری تجربات سے واقفیت حاصل کر کے اردو اخبار نویسی کی لاج رکھی''۔ 2

منشی محبوب عالم نے یوروپ کے جدید رجحانات کا جائزہ لیکر انھیں اپنی صحافت میں برتا۔ لندن کے ''ٹٹ بٹس'' (TIT BITS) کی طرز پر ''انتخاب لاجواب'' شائع کیا۔ وہ ایک فعال شخصیت اور نکتہ رس ذہن کے مالک تھے۔

اخبارات کے ناموں میں ضابطہ بندی کی ضرورت انھوں نے اس وقت محسوس کی تھی۔ یہ آج پریس رجسٹرار کے فرائض کا ایک اہم حصہ ہے۔ 3

پیسہ اخبار مجموعی طور پر ایک اعتدال پسند، سنسنی خیزی کا مخالف اور صلح کل کا حامی ومؤید تھا۔ لیکن اس کے باوجود برطانوی حکومت کی زیادتیوں و چیرہ دستیوں سے صرف نظر نہیں کرتا تھا۔ لہذا اس کے ایک شمارے میں حکومت کی جانب سے نمک پر ناروا ٹیکس عائد کرنے پر احتجاج ہوا۔

منشی محبوب عالم جدت پسند ذہن کے مالک تھے لہذا انھوں نے اپنے ذہن کی اپج سے پیسہ اخبار میں باقاعدگی سے ہفتہ وار ضمیمہ مناد کے نام سے کاروباری اشتہارات کے لئے جاری کیا۔ جو ان کی صحافت کے استحکام میں معاون ہوا۔ منشی محبوب عالم کو ادارتی

1۔ محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، ص 109۔

2۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص 523۔

3۔ انور دہلوی (مرتب) اردو صحافت، گربچن چندن، اردو کے نامور صحافی، دہلی اردو اکادمی، دہلی، ص 91۔

وانتظامی امور میں جو ملکہ حاصل تھا اس سے ان کے اخبار کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا تذکرہ محمد دین فوق اپنی کتاب ''اخبار نویسوں کے حالات'' میں اس طرح کرتے ہیں:

> ''آپ کے کاروبار کی وسعت اور کثرت دیکھ کر محکمہ ڈاک نے 1900ء میں ''پیسہ اخبار پوسٹ آفس'' کے نام سے آپ کو ایک الگ ڈاک خانہ دے دیا۔ جو نہایت ترقی اور رونق کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس زمانہ میں پہلی مثال تھی کہ ایک اردو اخبار کو یہ عزت نصیب ہوئی۔ کارخانہ پیسہ اخبار کی فلک رفعت اور عالی شان عمارات اپنی نظیر آپ ہیں۔ پیسہ اخبار کو ایک زمانہ میں بارہ دستی پریس بھی بمشکل چھاپ سکتے تھے۔ آپ نے ولایت سے چھاپے کی مشینیں منگوائیں، اور اپنے پریس کو اسٹیم پریس بنا دیا۔ پیسہ اخبار انارکلی کے جس حصہ میں واقع ہے۔ اس کا نام اب سرکاری طور پر ''پیسہ اخبار اسٹریٹ'' رکھا گیا۔ 1

پیسہ اخبار کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1897ء میں ہفت روزہ کی اشاعت گیارہ ہزار اور روزانہ کی تین ہزار تھی۔ بقول امداد صابری یہ عزت بیسویں صدی کی ابتداء تک کسی دوسرے ہفت روزے یا روزنامے کو نصیب نہیں ہوئی۔ 2 اس وقت تک کے اخبارات کے مقابلے میں اس نے عمر بھی زیادہ پائی یہ 1887ء سے شروع ہو کر 1924ء تک جاری رہا۔ یعنی اس نے 28 سال کی عمر پائی۔ 3

منشی محبوب عالم ایک کامیاب صحافتی زندگی گذار کر اور صحافت کی دنیا میں اپنی اختراعات وجدت طرازیوں کے بے بدل نقوش چھوڑ کر 1933ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

بیسویں صدی ہندستان میں انقلاب لے کر آئی۔ کانگریس کے قیام اور اس دور

---

1. محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، ص113۔
2. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص520.
3. ایضاً، ص 506.

کی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا ہونی شروع ہوئی۔ مسلم لیگ کا قیام، تقسیم بنگال کی تجویز، کانپور کی مسجد اور چوری چورا کے واقعات، جلیاں والا باغ کی خوں ریزی، سوراج، خلافت اور ترک مولات کی تحریکات، پھر عالمی سطح پر ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا مغربی ملکوں کے ذریعے تاخت وتاراج، ترکی کی سلطنت کی تباہی کا آغاز اور پہلی جنگ کی وجہ سے لوگ زیادہ باخبر رہنے کی طرف راغب ہوئے اور ان کے اندر ملکی وغیر ملکی حالات سے واقف رہنے کی تڑپ پیدا ہوئی اور اخبار بینی کا شوق بڑھا، لہذا نئے نئے اخبارات نکلنے لگے اور خاص بات یہ ہوئی کہ انگریزوں کے خوشامدی اخبارات دب گئے، اور اردو صحافت شمشیر برہنہ ہوکر انگریزوں کے سامنے آگئی۔ ان دنوں اردو اخبارات کی تعداد اشاعت میں بھی اضافہ ہوا۔ اسی لئے اس دور کو اردو صحافت کا زریں دور کہا جاتا ہے۔

مولانا حسرت موھانی اور اردوئے معلیٰ:

سید فضل الحسن حسرت موہانی 1878ء کو اودھ کے ضلع موہان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے قرآن مجید اور اردو فارسی کی تعلیم میاں جی غلام علی موہانی سے حاصل کی۔ 1894ء میں مڈل، 1897ء میں میٹرک کے امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کئے۔ 1903ء میں علی گڈھ سے بی۔اے کیا اور اسی وقت سے اس شہر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

یوں تو اس وقت بہت سے اخبارات ورسائل شائع ہورہے تھے پھر بھی ایسے اخبارات کی کمی تھی جو ہندستانیوں کے سیاسی خیالات خاص طور سے آزادی سے متعلق جذبات شائع کرتے۔ اسی کمی کے پیش نظر مولانا حسرت موہانی نے 1 جولائی 1903ء کو علی گڈھ سے اپنا ماہنامہ ''اردئے معلیٰ'' جاری کیا۔ اور اس شان سے جاری کیا کہ پہلے ہی شمارے میں مکمل آزادی کا مطالبہ کردیا [1] اس وقت بڑے بڑے قومی رہنما ہندستان

---

1 محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، 92.

میں موجود تھے۔ مگر حسرت سے پہلے کوئی جراءت نہ کرسکا تھا۔ انھوں نے یہ انقلابی حوصلہ اس وقت دکھایا جب برطانوی حکومت آزادی لفظ تک سننا گوارانہ کرتی تھی۔ بہرحال آگے چل کر اردوئے معلیٰ ایک ایسا رسالہ ثابت ہوا جس نے برطانوی حکمرانوں کی نیندیں حرام کردیں۔ 1905ء میں حسرت موہانی آل انڈیا کانگریس میں شامل ہوئے۔ اس وقت سودیشی تحریک زروں پر تھی۔ انہوں نے اس کی پرزور تبلیغ شروع کردی۔

1908ء میں اردوئے معلیٰ میں برطانوی حکومت کے خلاف ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں مولانا حسرت موہانی کو دوسال قید بامشقت کی سزا ہوئی، مولانا سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد رہا ہوئے تو ان کا حوصلہ اور بلند تھا لہذا انھوں نے 1910ء میں اردوئے معلیٰ دوبارہ جاری کیا۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''مولانا حسرت جیل سے رہا ہوکر آئے تو انھوں نے اردوئے معلیٰ کو دوباہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کے چند مخصوص احباب نے ہمدردانہ طور پر صلاح ومشورہ دیا کہ ''اگر سیاسی مضامین ہوں تو مسلم لیگ کی مسلمہ پالیسی کے موافق ہوں۔ چند دوستوں نے جو زیادہ آزاد خیال تھے یہ رائے دی کہ اگر جمہور ہند کی ہم خیالی منظور ہو تو کانگریس کے نرم فریق کی روش اختیار کی جائے'' مولانا حسرت نے ان دوستوں کو یہ جواب دیا۔
>
> ''ہم پر ان تمام نیک نیت مشوروں اور مصلحت کوش صلاحوں کا شکریہ فرض ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کردینا اخلاقی گناہوں میں سے ایک بدترین گناہ ہے۔ جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبارنویس کے دل میں ارادہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا''. 1

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص 908.

مولانا حسرت موہانی نے دوبارہ اردوئے معلیٰ جاری کیا تو سرمائے کی کمی کی وجہ سے اس کا حجم اور سائز اور اسی لحاظ سے چندہ کم کرنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جنگ طرابلس جاری تھی مولانا نے اپنے رسالے میں اٹلی کے خلاف بائیکاٹ کا فتویٰ شائع کیا۔ لہذا برطانوی حکومت نے اپنی انتقامی کاروائی میں ان کے پریس کے لئے، جس سے اردوئے معلیٰ چھپتا تھا، اور جس کی کل کائنات ایک کاٹھ کی مشین اور تین پتھر تھے، تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی، ظاہر ہے کہ مولانا اتنی بڑی رقم ادا نہیں کر سکتے تھے لہذا پریس ضبط ہو گیا اور اردوئے معلیٰ 1913ء میں پھر بند ہو گیا۔ اس بار اردوئے معلیٰ کو شروع ہونے میں زیادہ وقفہ لگ گیا۔ شاید یہ مولانا کی عملی سیاست میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے ہوا ہو۔

اب عملی سیاست میں ان کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ 1913ء کے قریب احرار تحریک شروع ہوئی، اس تحریک کے ممتاز رہنماؤں میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ اس میں مولانا حسرت موہانی نے اس جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا کہ رئیس الاحرار کہلائے۔ 1916ء میں للت پور جیل میں اس لئے قید کر دیئے گئے کہ برطانوی حکومت انھیں تحریک آزادی کے صف اول کے رہنماؤں میں شمار کرتی تھی۔ مگر وہ آزادی کے ایسے جاں نثاروں میں سے تھے جس کے لئے قید و بند معمولی چیزیں تھیں۔ لہذا جیل سے رہا ہوئے تو ترک موالات کی تحریک میں کود پڑے چنانچہ 1922ء میں دو سال کے لئے پھر قید کر دیئے گئے۔ رہا ہونے کے بعد 1925ء میں اردوئے معلیٰ پھر شروع کیا۔ اور تمام نامساعد حالات کے باجود اسے 1942ء تک جاری رکھا۔ 1

گو کہ اس رسالے کی ادبی حیثیت تھی لیکن اس میں اس سیاست کی مکمل عکاسی ہوتی تھی جس کا تعلق تحریک آزادی اور اس میں مسلمانوں کی شرکت سے تھا۔ انھوں نے اسی رسالے کے ذریعے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے کی ترغیب دی (جب تک وہ

---

1. انور دہلوی (مرتب) اردو صحافت (مقالہ)، اردو کے نامور صحافی، گربچن چندن، اردو اکادمی، دلی، 1987ء، ص 100.

کا گریس کے حامی رہے) کانگریس کی پالیسیوں کی حمایت میں مقالات اور ادارتی نوٹ شائع کئے ، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دور کے عظیم سیاسی مفکروں اور دانشوروں کے خیالات کی اپنے کالموں کے ذریعے نمائندگی اور تبلیغ کی۔اردوئے معلّٰی کا ایک یہ بھی کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے ہم عصر اخباروں میں بھی جدوجہد آزادی کا صور پھونکا چنانچہ ''زمیندار'' اور ''الہلال'' اسی روایت کے پروردہ تھے۔

مولانا حسرت موہانی 1905ء میں کانگریس میں شامل ہوئے مگر کانگریس کے بڑے لیڈروں سے انھیں کئی چیزوں میں اختلاف تھا۔مثلاً گاندھی جی اور ان کے ہم نوا عدم تشدد کے حامی تھے۔لیکن مولانا انگریزوں کی زیادتیوں کے جواب میں عدم تشدد، خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے۔اسی طرح کے اور بھی بہت سے اختلافات تھے لہذا وہ جلد کانگریس سے علاحدہ ہوگئے اور 1925ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

1928ء میں لکھنؤ کی قیصر باغ کی بارہ دری میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی جس کی قیادت مہاراجہ سر علی خاں، ڈاکٹر انصاری اور موتی لال نہرو کر رہے تھے۔موتی لال نہرو کی رپورٹ میں ''ڈومینین اسٹیٹ'' کا نظریہ پیش کیا گیا۔مولانا نے اس کی مخالفت کی اور آزادئ کامل کا نظریہ پیش کیا، گو کہ ان کی تجویز منظور نہیں ہوئی پھر بھی وہ اپنے نظریے پر قائم رہے۔ 1

1937ء میں لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا۔محمد علی جناح اس کی صدارت کر رہے تھے۔فضل الحق اور سکندر حیات بھی جلسے میں شریک تھے۔مولانا حسرت موہانی نے مکمل آزادی کی تجویز پیش کی، اس وقت تک مسلم لیگ کا نظریہ بھی ڈومینین اسٹیٹ کا تھا مگر اس نے مولانا کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے اپنا نصب العین آزادی قرار دیا۔ 2

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، دہلی، 1953ء، ص 14

2. ایضاً، ص 15.

امداد صابری لکھتے ہیں:

''اس دور میں جب لوگ جیل جانے کی قیمت وصول کر رہے تھے۔کھدر پہننے کا معاوضہ وصول کر رہے تھے۔اس نے اپنی خدمت کے صلے میں ایک پھوٹی کوڑی بھی وصول نہیں کی.....

1950ء میں مولانا حسرت موہانی حج بیت اللہ کی واپسی پر پاکستان گئے۔نیاز مندوں نے درخواست کی کہ مولانا آپ پاکستان میں قیام فرمائیں۔مولانا نے کہا میں ہندستان کے مسلمانوں کو اس برے وقت میں چھوڑ دوں صرف اپنی آسائش کے لئے پاکستان چلا آؤں ایسا نہیں ہوسکتا''. 1

محمد علی جوھر اور ھمدرد:

جنون آزادی کی حکایات خوں چکاں لکھنے والے بیباک و نڈر صحافیوں میں محمد علی جوہر کا نام سرفہرست ہے۔لیکن بنیادی طور پر وہ تحریک آزادی کے مرد میدان تھے۔اعلی تعلیم سے بہرہ ور ہونے،صحافت سے ذہنی مناسبت،اپنے مقصد کی بازیافت اور حقیقت حال کو عوام تک پہنچانے کی غرض سے انھوں نے صحافت کا سہارا لیا۔سیاسی رہ نما،صحافی،انشا پرداز اور شاعر کے علاوہ وہ ایک مورخ بھی تھے۔

محمد علی جوہر نے 26 نومبر 1878ء کو رامپور کے ایک نہایت معزز گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔آپ دو سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔مگر ان کی والدہ جنھیں دنیا ''اماں بی'' کے نام سے جانتی ہے ان حوصلہ مند خواتین میں سے تھیں جنھوں نے اپنے تینوں بیٹوں کو کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور سب کو جدید معیاری تعلیم دلوائی۔2

مولانا کے وطن کے سلسلے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔رئیس احمد جعفری اپنی کتاب

---

1. امداد صابری،تاریخ صحافت اردو،جلد سوم،دہلی،1953ء،ص 17.

2. محمد افتخار کھوکھر،تاریخ صحافت،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1995ء،ص 100.

''سیرت محمد علی'' میں ان کا وطن نجیب آباد ضلع بجنور بتاتے ہیں۔ جب کہ مولانا امداد صابری ان کا دادھیال مراد آباد اور نانیہال امروہہ بتاتے ہیں۔ مگر اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ 1878ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد علی صاحب رام پور میں 1878ء میں پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ ''بی اماں'' نے ان کی تعلیم و تربیت کی، پہلے معمولی اردو فارسی کی تعلیم تو مکان پر ہوئی پھر بریلی ہائی اسکول میں داخل کرادیئے گئے..... بلا کے ذہین تھے۔ ان کے استاد بہت خوش رہتے تھے۔ مزاج میں تیزی و حاضر جوابی بہت تھی'' 1

بریلی سے ہائی اسکول مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے مولانا علی گڈھ چلے گئے۔ جہاں ان کے بڑے بھائی پہلے سے موجود تھے۔ انٹر میڈیٹ کرنے کے بعد کالج میں آئے تو وہاں ان کے جوہر کھلنا شروع ہوئے۔ آزادیٔ رائے اور آزادیٔ عمل نے انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز کردیا۔ وہ پروفیسروں سے اختلاف کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتے۔ یونین میں مختلف مسائل پر ایسی تقریریں کرتے کہ لوگ عش عش کر اٹھتے۔ شاعری بھی انھوں نے وہیں سے شروع کردی تھی اور ایسی شاعری جس کے مولانا شبلی نعمانی (جو اس وقت علی گڈھ میں عربی کے پروفیسر تھے) معترف تھے۔

1896ء میں مولانا محمد علی جوہر نے علی گڈھ سے بی.اے پوری یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ وہیں ان کے سیاسی شعور میں بالیدگی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد انھیں مزید تعلیم کے لئے آکسفورڈ بھیجا گیا۔ مگر وہاں وہ آئی.سی.ایس کا امتحان پاس نہیں کرسکے اور گھر واپس آگئے۔ بی اماں اور بڑے بھائی نے دوبارہ آکسفورڈ بھیجا اس بار وہاں سے انھوں نے بی.اے کی ڈگری لی۔ 2

انگلستان سے واپس آئے تو نواب آف جادرہ نے عہدہ وزارت کی پیش کش

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد چہارم، دہلی، 1953ء، ص 9۔

2. ایضاً، ص 11۔

کی۔بیگم بھوپال نے چیف سکریٹری کا عہدہ پیش کرنا چاہا۔مگر آپ نے معذرت کرلی۔البتہ کچھ دنوں یعنی 1910ء تک ریاست رام پور اور بڑودہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔مگر ان کی حریت پسند طبیعت کے لئے ملازمت کے دام عارضی ثابت ہوئے اور ان کے جذبہ حب الوطنی،اور خدمت قوم وملت نے اس سے بہت جلد گلوخلاصی حاصل کرلی۔

ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد 14 جنوری 1911ء کو انھوں نے کلکتہ سے اپنا انگریزی اخبار''کامریڈ'' جاری کیا۔امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''اس وقت ان کا خیال تھا کہ انگریزی ہفتہ وار اخبار حکومت کو حالات سے مطلع کرنے کے لئے اور ہندستان کی دوسری قوموں کو بھی ملت اسلامیہ کے افکار وخیالات سے باخبر رکھنے اور بیرون ہند کی اسلامی وغیر اسلامی دنیا کو بھی آگاہ کرنے کے لئے نکالا جائے اور باقی مسلمانان ہند کی خدمت کے لئے جو اس ملت مرحوم کا سواد اعظم ہیں ایک روزنامہ اردو میں جاری کیا جائے''. 1

مولانا محمد علی جوہر جدید تعلیم سے بہرہ ور اور نباض وقت تھے لہذا کامریڈ میں صحافت کے جدید رجحانات کو اس طرح سمو دیا کہ بہت جلد یہ اخبار مقبول خاص وعام ہوگیا۔ارکان پارلیمنٹ سے لے کر گورنر وائے سرائے تک اسے پڑھنے لگے۔سرفلیٹ ووڈولسن (SIR FLEET WOOD WILSION) وزیر خارجہ جب انگلستان واپس جانے لگا تو محمد علی جوہر کو ایک کمرے میں لے گیا۔ایک بند صندوق کھول کر اس نے کہا''محمد علی دیکھو اس میں کیا ہے۔دیکھا تو اس میں کامریڈ کے پرچے تھے۔اس نے کہا میں''لندن پنچ'' کے اڈیٹر کے لئے یہ تحفہ لے جارہا ہوں. 2

1913ء میں برطانوی حکومت نے اپنا دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی منتقل کیا تو مولانا بھی کامریڈ دہلی لے آئے۔

---

1. امداد صابری،تاریخ صحافت اردو،جلد پنجم،دہلی،1953ء،ص 291.

2. ایضاً،جلد چہارم،ص 16.

ملازمت ترک کرنے کے بعد سے ہی وہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے معاملات میں دلچسپی لینے لگے تھے۔اخبارات میں مضامین لکھ لکھ کر اس کی اصلاح میں کامیابی بھی حاصل کی تھی۔علی گڈھ کے ذریعے ہی وہ آہستہ آہستہ سیاست میں داخل ہوئے۔نواب وقارالملک اور محسن الملک کی کوششوں سے 1906ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ قائم ہوئی تو محمد علی جوہر نے اس کے قواعد وضوابط کی تیاری میں نمایاں حصہ لیا۔وہ باقاعدہ مسلم لیگ میں شامل ہوئے تو اس کے نصب العین کی پستی کو دور کرنے کی کوشش کی۔لہذا مسلم لیگ کے لیڈران کو جو ابھی تک برطانوی گورنمنٹ سے اچھے تعلقات استوار رکھے ہوئے تھے،اعلان کرنا پڑا کہ ''ہمارا نصب العین سلف گورنمنٹ'' ہے۔لوگ مولانا کی ملّی وملکی خدمات سے اتنے متاثر تھے کہ 1917ء میں جب مولانا نظر بند تھے۔ان کے غیاب میں ہی انھیں مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا اور کرسی پر ان کی جگہ ان کی تصویر رکھی گئی. 1

پہلی جنگ عظیم کی ابتداء یعنی 1914ء میں ترکی جرمنی کے دوست کے طور پر برطانیہ کے سامنے آیا تو مولانا نے ''لندن ٹائمس'' کے کسی مضمون کے جواب میں "CHOICE OF THE TURKS" کے عنوان سے ایک مضمون لکھ کر کامریڈ میں شائع کیا۔جس سے برطانیہ کے ایوان اقتدا میں زلزلہ آ گیا۔کامریڈ پریس کی دو ہزار کی ضمانت ضبط کر کے دس ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔جس کی وجہ سے یہ اخبار اپنے دور اول کے چار سال پورے کر کے نومبر 1914ء میں بند ہو گیا۔اس کے دور ثانی کی ابتداء اکتوبر 1924ء میں ہوئی۔مگر بارہ تیرہ مہینے جاری رہنے کے بعد مولانا کی علالت کی وجہ سے جنوری 1926ء میں دوبارہ بند ہو گیا. 2

(مولانا نے 23 فروری 1913ء کو اپنا اردو اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا۔مولانا کی طرح ان کے بڑے بھائی بھی تحریک آزادی کے بڑے رہ نما تھے۔حکومت نے 1915ء میں دونوں بھائیوں کو نظر بند کر کے پہلے مہرولی،لینس ڈاؤن اور چندواڑہ میں رکھا پھر بیتول بھیج دیا۔

1.امداد صابری،تاریخ صحافت اردو،جلد چہارم،دہلی،1953ء،ص 16.

2.ایضاً،ص 22.

1919ء میں رولٹ ایکٹ اور اسی زمانے میں جلیان والا باغ کے خونی حادثے کی وجہ سے عوام کے باغیانہ جذبات اور غم و غصے کا اظہار ہر طرف سے ہو رہا تھا۔ حکومت نے ان جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے علی برادران کو 1919ء میں غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔ جب کہ اس کے پہلے کافی کوشش کے باوجود انھیں رہا کرنے پر حکومت رضامند نہیں ہوئی تھی۔ رہا ہونے کے بعد علی برادران براہ راست امرتسر پہنچے، جہاں کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا، اور کانگریس میں شامل ہو گئے۔ علی برادران کی کانگریس میں شرکت گویا پوری قوم کی شرکت تھی۔ لہذا مسلمان بڑی تعداد میں کانگریس میں شامل ہوئے۔

1920ء میں مولانا نے علی گڈھ یونیورسٹی والوں کو عدم تعاون اور ترک موالات کی تحریکات میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ کچھ طلبا اس کی طرف متوجہ بھی ہوئے۔ مگر حکام نے نہ صرف یہ کہ توجہ نہ دی بلکہ ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا۔ مولانا نے اپنے ہم نواؤں کی ایک جماعت کے ساتھ علی گڈھ میں ہی مسلم یونیورسٹی کی حدود سے باہر خیموں کے اندر جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ درس گاہ دہلی منتقل ہوئی۔

1921ء میں بغاوت پھیلانے کے الزام میں دونوں بھائیوں کو پھر گرفتار کر کے کراچی میں مقدمہ چلایا گیا۔ جس میں دو سال قید سخت کی سزا ہوئی۔ 1924ء میں سزا ختم ہوئی۔ علی برادران نے گاندھی جی کی تحریک ترک موالات میں کھل کر حصہ لیا۔ ساتھ ہی خلیفۃ المسلمین کے منصب کو بچانے کے لئے تحریک خلافت شروع کی جس میں گاندھی جی نے مکمل تعاون کیا۔ 1924ء میں مولانا کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مولانا کا عہد صدارت بڑا پر آشوب تھا۔ ایک طرف شدھی اور تبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا دوسری طرف عدم تعاون کی تحریک کا خاتمہ خود کانگریسی رہنما کر رہے تھے۔

قید و بند کی صعوبتوں نے مولانا محمد علی جوہر کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا وہ ذیابیطس کے مریض ہو گئے۔ گو کہ علاج کے لئے یوروپ گئے مگر اس وقت تک ذیابیطس کا کوئی یقینی علاج دریافت نہیں ہوا تھا اس لئے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ جذبہ حب الوطنی کے تحت 1930ء میں، علالت کے باوجود، گول میز کانفرنس لندن میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ جس کا مقصد

ہندستان کودی جانے والی سیاسی اصلاحات پرغور کرنا بتایا گیا تھا۔کانفرنس میں انگریزی میں کی گئی اپنی پرُمغز تقریر میں انھوں نے کہا۔

''میں غلام ہندستان میں مرنا نہیں چاہتا''۔ابھی کانفرنس ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ 4 جنوری 1931ء کولندن میں ہی وہ اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔فلسطین کے مفتی اعظم کی تجویز پرانھیں بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ میں سپرد خاک کیا گیا۔علامہ اقبال نے مولانا کے شایان شان نذرانہ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا۔

''سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت''1

مولانا کی پوری زندگی صحافت وسیاست کے لئے وقف تھی انھوں نے عالم اسلام اور ہندستانیوں کو پنجۂ اغیار سے نجات دلانے کے لئے عملی جدوجہد کی۔کلمہ حق بلند کرنے اورانگریزوں کوللکارنے میں نہ کبھی قیدوبند سے خوف کھایانہ دارورسن سے ڈرے۔

ہمدرد اور اس کی انفرادیت :

مولانا محمد علی جوہر نے 1910ء میں بڑودہ کی ملازمت اس لئے ترک کی کہ اس سے زیادہ وسیع دائرے میں رہ کر ملک وملت کی خدمت کریں۔چنانچہ پہلے''کامریڈ''پھر روزنامہ''ہمدرد''جاری کیا۔مولانا امدادصابری لکھتے ہیں:

''ہمدرد 23 فروری 1913 کوکوچہ چیلان دہلی سے روزانہ جاری ہوا۔ایک ورقی یعنی دوصفحوں پر مشتمل تھا۔ 20x30 پر نکلتا تھا۔ہمدرد پریس میں طبع ہوتا تھا۔اس کی چھپائی لیتھو کی نہیں تھی بلکہ اردو ٹائپ میں ہوتی تھی''۔ 2

ابتداء میں ایک ورقی چھپنے کی وجہ یہ تھی کہ مولانا اسے اردو ٹائپ میں چھپوانا چاہتے

1.صباح الدین عمر،(مرتب)،انتخاب ہمدرد،اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ،1988ء،ص9.

2.امدادصابری،تاریخ صحافت اردو،جلد پنجم،دہلی،1953ء،ص294.

تھے۔اس کے لئے بیروت سے ٹائپ منگوایا گیا۔مگر وہ اتنی کم مقدار میں موصول ہوا کہ اس میں دو سے زیادہ صفحات چھپنے ممکن نہیں تھے۔مزید ٹائپ آیا تو 13 مئی سے 31 مئی تک چار صفحات پھر 1 جون 1913ء سے آٹھ صفحات پر ٹائپ حروف میں نکلنے لگا۔ 1

کچھ لوگوں نے دو صفحے والے ''ہمدرد'' کا نام ''نقیب ہمدرد'' لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ 12 اپریل 1929ء یعنی ہمدرد کی آخری اشاعت میں درج تھا کہ

> ''23 فروری 1913ء کو ایک ''ایک ورقہ'' نقیب ہمدرد بن کر آنے والے ہمدرد کی منادی کرنے لگا''۔ 2

10 اگست 1915ء کو ہمدرد اس وقت بند کر دینا پڑا جب مولانا نظر بند کر دیئے گئے۔نومبر 1924ء سے ہمدرد کی دوسری زندگی اس تبدیلی کے ساتھ شروع ہوئی کہ اب یہ نستعلیق میں لیتھو سے چھپنے لگا۔اس بار اسے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی،اور اس کی اشاعت دس ہزار تک پہنچ گئی۔پھر بھی مختلف وجوہات کی بنا پر یہ 12 اپریل 1929ء سے آگے جاری نہ رہ سکا۔

ہمدرد کے پہلے صفحے پر عموماً عالم اسلام کی خبریں ہوتی تھیں اندر ہندستان اور دوسرے ممالک کی۔یہ خبریں ''رائٹر'' اور ''ایسوسی ایڈ پریس آف انڈیا'' سے حاصل کی جاتی تھیں۔اسلامی ممالک میں اس کے خصوصی نامہ نگار بھی ہوتے تھے۔اس میں اس عہد کے بڑے شعراء کی نظمیں،ادیبوں کے مضامین اور افسانہ نگاروں کے افسانے شائع ہوتے تھے۔اداریئے مولانا خود بھی لکھتے تھے اور ایڈیٹوریل اسٹاف بھی۔

مولانا محمد علی جوہر نے 29 فروری 1928ء کے ''ہمدرد'' میں لکھا:

> ''میں نے صحافت پیسہ کمانے کے لئے اختیار نہیں کی،بلکہ ملک وملت کی خدمت کرنے کے لئے۔میں رہنما ہوں رہزن نہیں ہوں''۔ 3

---

1. صباح الدین عمر،(مرتب) انتخاب ہمدرد،اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ،1988ء،ص 10-9.
2. ایضاً،ص 10.
3. محمد افتخار کھوکھر،تاریخ صحافت،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1995،ص 106

اس بات کی تائید کرتے ہوئے مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

''مولانا محمد علی صاحب نے اس زمانے میں ہمدرد جاری کیا جب زمیندار اخبار کا طوطی بول رہا تھا۔اس کے باوجود ہمدرد کی پالیسی زمیندار سے مختلف تھی۔ ہمدرد متین وسنجیدہ اور برد بار متحمل اخبار تھا۔صحیح واقعات کی طرف خاص توجہ دیتا تھا۔اس نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ کسی خاص طرز کے اختیار کرنے سے اشاعت گھٹے گی یا بڑھے گی.....ہمدرد نے اعلی اور بلند پایہ کی صحافت کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ ہمدرد نے بھی زمیندار کی طرح ''رائٹر'' اور ایسوسی ایڈ پریس کی باقاعدہ سروس حاصل کی۔مولانا محمد علی نے ہمدرد کے پہلے دور میں اردو صحافت کو جو کچھ دیا وہ اس کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے''. 1

ہمدرد نے انگریزوں کی مخالفت اس وقت شروع کردی تھی جب کانگریس کی تحریک آزادی میں ابھی شدت پیدا نہیں ہوئی تھی۔اس کے مقاصد میں ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینا۔گاندھی جی کی ہندستانیوں کی بہبود کی کوششوں (گاندھی جی اس کے پہلے دور میں افریقہ میں تھے) کو عوام تک پہنچانا، اور ان کی ہمت افزائی کرنا اور ہندستانیوں میں جذبہ آزادی کو ابھارنا تھا۔اس نے اپنی زندگی کے ہر دور میں انگریزوں کی سازشوں کا پردہ فاش کیا۔ان کے ظلم وزیادتیوں کے خلاف بلا خوف احتجاج کیا۔تحریک آزادی کے تمام رہنماؤں کی ہمت افزائی کی۔ ہر تحریک میں معاون رہا۔

زمیندار اور ظفر علی خاں:

صحافت کی وادئ پر خار میں اپنی شکستہ پائی کے باجود مولانا ظفر علی خاں نے اس

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953، ص 302.

استحکام کے ساتھ قدم رکھا کہ کانٹوں کو بھی پسینہ آ گیا۔ وہ ایک حق گو و بے باک صحافی ہی نہیں بلکہ جنگ آزادی کے ایک ایسے جری سپاہی بھی تھے جن کے ذکر کے بغیر ہماری تاریخ آزادی نامکمل رہے گی۔ سامراجی قوتوں کے استحصالی رویوں، جارحانہ عزائم، اور سیاسی چالوں کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں انھوں نے کل ملا کر چودہ سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ زمیندار کی ضبطیوں اور اپنی گرفتاریوں کے نتیجے میں (اس وقت کا) کل ملا کر ڈیڑھ لاکھ روپئے سے زائد جرمانہ ادا کیا۔ ان کا اخبار پندرہ بار ضبط ہوا، کئی پریس بھی ضبط ہوئے مگر برطانوی حکومت اپنی تمام تر بربریت، جارحیت اور قوت و استحکام کے باوجود انھیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکی۔ جلیان والا باغ میں گولی چلوانے والے مائیکل ایڈوائر جیسے ظالم وحشی نے بھی ان کا لوہا مانتے ہوئے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا۔

''ظفر علی خاں اور محمد علی جوہر ماں کے پیٹ سے بغاوت کا قلم لے کر نکلے ہیں۔ انگریز دشمنی ان کی فطرت میں شامل ہے۔ کوئی عام منصوبہ شروع کرنے سے پہلے ان کو گرفتار کرنا ضروری ہے'' 1

ظفر علی خاں نے اپنی تحریروں میں برطانوی حکومت کی سیہ کاریوں کا اس جراءت کے ساتھ پردہ فاش کیا۔ اس کے خلاف اتنی بے لاگ تنقید کی کہ دلوں سے انگریزوں کا رعب و دبدبہ دور ہو گیا۔ جذبہ حریت کو اس طرح بیدار کیا کہ دبے کچلے ہوئے لوگ بھی حصول آزادی کے لئے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی جان و مال قربان کرنے لگے۔ مولانا کے بارے میں علامہ اقبال نے لکھا۔

''ظفر علی خاں غیر معمولی دل و دماغ کے آدمی ہیں۔ ان کی ہمت بہت بلند ہے۔ ان کا قلم اپنی روانی میں دنیا کے بڑے بڑے مجاہدین کی تلوار سے کم نہیں'' 2

---

1. محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، ص 98.
2. ایضاً، ص 99.

علامہ شبلہ نعمانی نے لکھا

''علی گڈھ کو محمد علی جوہر کی قابلیت اور ظفر علی خاں کی جرائت وشجاعت پر فخر ہے'' 1

کہا جاتا ہے کہ مولانا نے صحافت خصوصاً اردو صحافت کا وقار بلند کیا۔ اسے نئے اسلوب سے روشناس کرایا۔ بہت سی نئی اصطلاحات وتراکیب اس میں شامل کیں۔ جن سے اخباری تحریر میں جدت وندرت آئی۔ زمیندار سے پہلے اخبارات کی سرخیاں عموماً ایک کالمی ہوا کرتی تھیں انھوں نے اہم خبروں کو بڑی سرخیوں میں شائع کیا۔ اس وقت اردو اخبارات خبروں کے لئے انگریزی اخبارات پر منحصر ہوا کرتے تھے۔ مگر ظفر علی خاں نے اپنے اخبار کے لئے رائٹر اور ایسوسی ایڈ پریس آف انڈیا کی باقاعدہ سروس حاصل کی اور اس طرح اردو صحافت کو انگریزی صحافت کے مقابل لا کھڑا کیا۔

مولانا ظفر علی خاں 1873ء میں سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹ مرتھ میں پیدا ہوئے۔ علی گڈ مسلم یونیورسٹی سے 1894ء میں بی۔اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ یہاں انھیں مشاہیر وقت کی صحبت اور پروفیسر آرنلڈ وسید سلیمان ندوی جیسے علماء سے تربیت ملی۔ مولانا باکمال شاعر، بلند پایہ ادیب اور شعلہ نوا مقرر تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کئی انگریزی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ حیدرآباد میں مترجم کے عہدے پر فائز رہے وہیں سے 1902ء میں ''فسانہ'' نام کا ادبی ماہنامہ شروع کیا۔ 1904ء میں اسے ''دکن ریویو'' میں ضم کردیا جس میں علمی وادبی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے انگریزی میں ''بمبئی گزٹ'' اور ''ٹائمز آف انڈیا میں بھی لکھنا شروع کیا۔ دکن ریویو نے اپنا ایک مقام بنالیا تھا مگر ظفر علی خاں 1909ء میں اس کی ادارت وملکیت سے دست بردار ہوکر واپس پنجاب آگئے 2۔

---

1 محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، ص 99.

2 امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص 32-10.

مولانا کے والد مولوی سراج الدین احمد نے محکمہ ڈاک کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کسانوں اور زمینداروں کی فلاح کے لئے ایک ہفت روزہ ''زمیندار'' کے نام سے جون 1903ء میں لاہور سے شروع کیا۔ وہ سرسید کے فکری دبستان سے وابستہ تھے۔قومی اور ملکی معاملات میں دلچسپی لیتے تھے۔اپنے خیالات کا اظہار مضامین میں کرتے جو اکثر تہذیب الاخلاق میں بھی شائع ہوتے۔مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''1903ء میں مولوی سراج الدین صاحب ملازمت سے ریٹائر ہوگئے اور آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگے۔آپ سرسید احمد خاں کے دل دادہ تھے اور تہذیب الاخلاق میں مضامین بھی لکھتے تھے۔بعض دوستوں کے مشورے سے ہفتہ وار زمیدار کی 1903ء میں داغ بیل ڈالی۔ پہلا شمارہ لاہور سے ہی نکالا گیا۔وہاں موچی دروزہ کے اندر چوک نواب صاحب کے ساتھ ایک گلی میں دفتر قائم کیا۔لیکن چند دنوں بعد بعض معاشی دشواریوں کی وجہ سے کرم آباد چلے گئے'' 1

وفات کے وقت انھوں نے اپنے بیٹے ظفر علی خاں کو وصیت کی کہ وہ اس اخبار کو زندہ رکھیں۔لہذا یکم جنوری 1910ء کو اس کا پہلا ایڈیشن ظفر علی خاں کی ادارت میں شائع ہوا۔ 2

> '' مولانا ایک دن کسی کام سے لاہور چلے گئے۔چودھری شہاب الدین جو ان کے والد کے دوست تھے۔ان سے ملے انھوں نے ان کو مشورہ دیا کہ زمیندار لاہور سے نکالو۔(اس وقت تک یہ کرم آباد سے نکلتا تھا) جو اخبار یہاں سے نکل رہے ہیں وہ کامیاب ہیں۔اس تہذیبی مرکز میں بیٹھ کر

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص10.
2. عتیق احمد صدیقی، مرتب انتخاب زمیندار، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 1988ء، ص15.

اپنے مستقبل کو درخشاں بناؤ۔ مولانا نے یہ مشورہ قبول کیا اور زمیندار کو لاہور لے آئے۔ ٹکسال دروازے کے ایک مکان کڑی امیر چند میں مئی 1911ء سے شائع ہونے لگا'' 1

ہفتہ وار زمیندار کا مقصد جیسا کہ پہلے کہا گیا معاشرتی اصلاح تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کے زمام ادارت سنبھالتے ہی اس کے مقاصد میں وسعت پیدا ہوگئی ان کے پہلے اداریئے میں ہی اخبار کی پالیسی کا اعلان ملاحظہ ہو۔

''ہم اپنی طرف سے کوشش کریں گے کہ ان مقاصد کے پیش نظر جو اس کے اجراء کے محرک اولین تھے۔ زمیندار کو اس شان کے ساتھ چلائیں کہ وہ ہر مذاق کے ناظرین کے لئے موجب افادہ وتفریح ہونے کے علاوہ اپنے آپ کو گورنمنٹ کا ایک وفادار اور مخلص مشیر اور رعایا کی خواہشوں کا اور آرزوؤں کا ایک صحیح ترجمان اور ملک وملت کے حقوق وحفاظت کا ایک مضبوط ذریعہ ثابت کر سکے۔ ہماری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ اس اخبار کی حیثیت ایک مقامی اخبار کی نہ ہو۔ بلکہ یہ ہندستان کا ایک ہمہ گیر اخبار ہو۔ ہندستان کی مختلف قوموں اور فرقوں کے درمیان اتحاد قائم رکھنے کا اصول ہمارا ہمیشہ نصب العین ہوگا۔ ہمارے کالم ہر قسم کے تمدنی معاشرتی روحانی اخلاقی وعلمی مضامین نظم ونثر کے لئے کھلے رہیں۔ کوئی عجب نہیں کہ بہت جلد یہ اخبار مہینہ میں چار روز کے بجائے آٹھ دفعہ بلکہ روزانہ شرف حضوری حاصل کرے''. 2

لہذا 15 اکتوبر 1911ء سے زمیندار روزنامے میں تبدیل ہوگیا۔ اسی دوران اٹلی نے طرابلس پر حملہ کردیا۔ جنگ طرابلس وبلقان کی خبروں، یوروپی سیاست، اور عالم

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص 32.
2. عتیق احمد صدیقی، (مرتب) انتخاب زمیندار، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 1988ء، ص 16.

اسلام کے اتحاد پر اس اخبار کی خاص توجہ، اور ظفر علی خاں کے پر جوش اداریوں کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اضافہ ہوا اور یہ عوام کا مقبول ترین اخبار بن گیا۔ ظفر علی خاں نے ادارت سنبھالی تھی تو اس کی تعداد اشاعت صرف چھ سات سو تھی۔ 1911ء میں اسے کرم آباد سے لاہور منتقل کیا تو اس کی تعداد اشاعت بارہ سو ہوگئی۔ پھر ایک سال کے اندر اندر اس کی تعداد اشاعت پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ محمد افتخار کھوکھر لکھتے ہیں۔

> ''ہر شخص صبح سویرے زمیندار کا منتظر رہتا، پنجاب اور سرحد میں ان پڑھ لوگوں کا ذوق وشوق دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ دو پیسے کا اخبار خرید کر ایک آنے میں پڑھوا کر سنتے''1

عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

> ''بیسویں صدی کا رخ پلٹنے کے ساتھ ساتھ جب سیاست نے انقلابی کروٹیں لیں تو نئے اخبار جاری ہوئے ان میں سرفہرست زمیندار، الہلال اور ہمدرد تھے۔ لیکن یہ محض اخبار ہی نہیں قومی ادارے بھی تھے اور ان کی ادارت پر جو شخصیتیں فائز تھیں وہ محض اخبار نویس ہی نہیں تھیں سیاسی شخصیتیں بھی تھیں''2

1914ء میں جنگ عظیم اول کی ابتداء ہوئی تو اخبارات پر حکومت نے سختیاں بڑھا دیں۔ مولانا کو ان کے آبائی وطن کرم آباد میں نظر بند کر دیا گیا۔ لہذا 1915ء میں زمیندار بند ہوگیا۔ 1919ء کے آخر میں مولانا کی نظر بندی ختم ہوئی تو اپریل 1920ء سے زمیندار پھر شروع ہوا۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہوگئی تھی۔ بین اقوامی صورت حال بدل چکی تھی۔ خلافت کے ختم ہونے اور ترکی کی شکست کی وجہ سے ہندستان کے مسلمانوں میں بہت

---

1. محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، ص 95.
2. عبدالسلام خورشید، صحافت پاکستان و ہند میں، مجلس ترقی ادب لاہور، 1963ء، ص 338.

غم وغصہ تھا۔ حکومت نے مارشل لا کا سہارا لے کر نئے نئے مظالم ڈھانا شروع کئے۔ زمیندار کے اجراء کے تین ماہ کے اندر ہی دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ اور چھ ماہ کے اندر مولانا کو گرفتار کر کے پانچ سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ اخبار کی ضمانت ضبط ہوئی کچھ دنوں کے لئے اخبار بند ہوا مگر پھر نئی ضمانت جمع کر کے اسے پھر سے شروع کر دیا گیا۔ (اس کی ضمانت کے لئے عوام چندہ دیتے تھے) مگر اب اس کے مدیر مولانا اختر علی خاں اور ناشر غلام قادر خاں تھے۔ 1921ء میں دونوں گرفتار ہوئے اور تین تین سال کی قید با مشقت سنائی گئی۔ اس کے بعد مولانا عبدالمجید سالک، مولوی نذیر احمد سیماب، حافظ سید احمد، پنڈت رام سرن، قاضی محمد عدیل عباسی، مولوی فضل محمد خاں، لالہ ڈوگرمل، لال شاہ، حافظ محمد احمد خاں، الہ دتا ایک کے بعد ایک مدیر و ناشر کی حیثیت سے گرفتار ہو کر سزا جھیلتے رہے۔ خاص بات یہ کہ ایک کے بعد دوسرا بہ خوشی اس کی جگہ سنبھالتا تھا۔ قید و بند کی سختی، ضمانت کی ضبطی، شخصی گرفتاری، املاک کی قرقی کوئی بھی چیز زمیندار کی آواز حق کو نہ دبا سکی۔ 1

زمیندار انڈین نیشنل کانگریس کا ہمیشہ سے حامی و مددگار رہا۔ اس سلسلے میں عبدالسلام خورشید رقمطراز ہیں:

> ''زمیندار کی پالیسی ابتداء میں یہ تھی کہ انڈین نیشنل کانگریس ملک کی متحدہ قومی جماعت ہے اس کے زیر سایہ اور زیر رہنمائی ملکی آزادی کے لئے جدوجہد ہو سکتی ہے..... بہر حال 28-1927ء سے زمیندار کی پالیسی کاملاً کانگریس اور نیشنلسٹ ہو گئی۔ اور جب تصفیہ حقوق کے لئے مسلمانوں نے مہم شروع کی تو زمیندار نے اس کی مخالفت کی..... سائمن کمیشن کے مقابلے میں کانگریس کا ساتھ دیا۔ نہرو رپورٹ کی تائید و حمایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی..... جب گاندھی جی نے نہرو

---

1 عتیق احمد صدیقی، (مرتب)، انتخاب زمیندار، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1998ء، ص 20-19.

رپورٹ منوانے کے لئے سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو زمیندار اس
میں بھی پیش پیش رہا تھا اور اس میں ظفر علی خاں قید بھی ہوئے'' 1

زمیندار نے اپنے مارچ 1924ء کے ایک اداریے میں جدوجہد آزادی کو ایک مذہبی فریضہ قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو جی جان سے اس میں شامل ہونے کی تلقین کی۔ زمیندار ہندو مسلم اتحاد کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا جو وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ جو جماعتیں اور افراد اس کے لئے کوشاں تھے ان کی حمایت کی۔ زمیندار نہ صرف گاندھی جی کی حمایت میں سب سے آگے رہا بلکہ انھوں نے جو نظریہ جو اسکیم جو لائحہ عمل پیش کیا۔ اس کی ترویج و اشاعت کر کے اسے عوام میں مقبول بنانے میں پوری مستعدی دکھائی۔ اگست 1920ء کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا نے کہا:

''اب ہندو مسلمانوں میں تفرقہ نہیں پڑ سکتا۔ ہندوؤں نے اور مہاتما گاندھی نے مسلمانوں پر جو احسان کئے ہیں۔ ان کا عوض ہم نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس زر نہیں ہے۔ جب جان چاہیں، ہم حاضر ہیں''۔ 2

عتیق احمد صدیقی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس طرح زمیندار نے گاندھی جی کی تائید میں ہمیشہ آواز بلند کی۔ ان کی مختلف تجاویز کی ترویج ہی نہیں کی بلکہ ان کی وکالت کی۔ حصول آزادی کے لئے جو بھی دستور العمل گاندھی جی کی طرف سے پیش کیا گیا۔ زمیندار نے ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے صفحات وقف کئے۔ مدعا صرف یہی تھا کہ حصول آزادی کی جدوجہد کو تیز تر کیا جا سکے'' 3

غرض تحریک آزادی سے زمیندار کا نام کبھی محو نہیں ہو سکتا اس نے قریب نصف صدی تک ارباب صحافت و سیاست پر جو نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ ہماری تاریخ کا زریں باب ہیں۔

---

1. عبدالسلام خورشید، صحافت پاکستان و ہند میں، مجلس ترقی ادب لاہور، 1963ء، ص 39-438.
2. عتیق احمد صدیقی، (مرتب) انتخاب زمیندار، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 1988ء، ص 25.
3. ایضاً، ص 28

مولانا کے سلسلے میں امداد صابری کی یہ اطلاعات دل چسپی سے خالی نہ ہوں گی۔

''مولانا ظفر علی خاں کے قلم نے انسکوئتھ اور ایڈورڈ گرے کے بیانات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اس طرح بکھیریں کہ لاہور سے لندن تک قصر استعمار برطانیہ میں زلزلہ آ گیا۔ 1917ء میں لاہور مولانا کی شعلہ نوائی کی وجہ سے آتش بداماں بنا ہوا تھا۔ ادھر زمیندار ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا تھا۔ ادھر مولانا موچی دروازے کے باہر ہر روز بیس پچیس ہزار مسلمانوں کے اجتماع میں انگریزوں کی گندی ذہنیت اور سامراجیت کے بخیئے ادھیڑتے رہتے تھے۔ وہ تقریر کرتے تو ان کے منہ سے شعلے برستے زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلتے تھے۔ طرابلس کے مظلوموں کے لئے امداد کی اپیل کرتے تھے۔ چاروں طرف سے روپے کی بارش ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک سال کے عرصے میں چار لاکھ روپے جمع کر کے ترکی بھجوایا''. 1

مولانا کے لندن اور ترکی کے دورے کے بعد ہندستان واپس لوٹنے پر جو خیر مقدم ہوا اس کے بارے میں مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

''مولانا ساحل ہندستان پر پہنچے تو آپ کی کڑی نگرانی شروع ہوگئی۔ دہلی اور لاہور میں مولانا کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ دہلی میں جو آپ کا جلوس نکالا گیا اس میں تین چار لاکھ آدمی شامل تھے۔ لوگوں نے مولانا کی گاڑی اپنے ہاتھوں سے کھینچی۔ آپ کی گاڑی کے آگے دو بچے آ کر کچل گئے۔ ایک بچہ ایک بڑھیا کا اکلوتا تھا جو ہجوم میں دب کر مر گیا تھا۔ اس نے بڑے حوصلے سے اعلان کیا اگر اس کے دس بیٹے

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص 34.

ہوتے اور اس طرح مولانا پر قربان ہو جاتے تو اسے کوئی ملال نہ ہوتا۔ مولانا دہلی سے لاہور پہنچے تو یہاں تقریباً ایک لاکھ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا''. 1

''مولانا ظفر علی خاں نے 84 برس کی عمر پائی ان کی مجموعی قید تقریباً چودہ برس ہوتی ہے..... گویا عمر کا چھٹا حصہ قید خانے میں بسر کیا''. 2

مولانا ظفر علی خاں کا انتقال 27 نومبر 1956ء کی صبح ان کے آبائی وطن کرم آباد میں ہوا۔ ملک وقوم کے لئے ان کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں. 3

الھلال اور ابولکلام آزاد:

مولانا ابوالکلام آزاد مکہ معظّمہ کے محلے قدوہ متصل باب السلام میں اگست 1888ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کے نانا مولانا نورالدین 1857ء کے بعد مکہ ہجرت کر گئے تھے۔ وہیں آپ کے والد مولانا فخرالدین کی شادی شیخ حرم کی بھانجی سے ہوئی۔ اس طرح مولانا کی مادری زبان عربی اور اجداد کی زبان اردو تھی۔ گھر میں اردو کا زور تھا۔ بڑے بھائی شاعر تھے۔ مولانا نے بھی ابتداء میں شاعری کی بعد میں شاعری ترک کر کے نثر میں غرق ہو گئے۔ 4

مولانا آزاد کو بچپن سے ہی اخبار بینی اور اخبار نویسی کا شوق تھا۔ سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی اس وقت کے ممتاز جرائد کے کالموں میں جگہ پانے لگے تھے۔ انھوں نے بہت کم عمر میں صحافت کی دنیا میں قدم رکھا۔ صرف گیارہ سال کی عمر میں کلکتہ

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص 40.
2. ایضاً، ص 61.
3. ایضاً، ص 66.
4. محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام باد 1995ء، ص 85.

سے ''نیرنگ عالم'' جاری کیا۔ پھر ''المصباح'' نکالا مگر ان کی صحافی کی حیثیت ''لسان الصدق'' سے قائم ہوئی۔ مولانا نے اپنی صحافتی زندگی میں کم وبیش ایک درجن اخبار ورسائل ایڈٹ کئے۔ ان میں الہلال سب سے منفرد اور نمایاں رہا۔ اسے انھوں نے 1912ء میں کلکتہ سے جاری کیا۔ یہ ہندستان کا پہلا مصور سیاسی ہفت روزہ تھا۔ مولانا امداد صابری اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''13 جولائی 1912ء کو الہلال 7/1 میکلوروڈ کلکتہ سے ہفتہ وار جلوہ افروز ہوا۔ پہلے سولہ صفحات پر نکالا لیکن اس کے بعد صفحات کی قید نہ رہی۔ ضرورت کے مطابق صفحات مقرر ہو جاتے تھے۔ یوں تو اس زمانے میں کافی اخبارات ورسائل نکلتے تھے۔ مولانا آزاد ان اخبارات سے علیحدہ ہو کر ایک نرالی وضع اور انوکھی شکل کا انتہائی اعلیٰ پایہ اور معیاری اخبار نکالنا چاہتے تھے..... انھوں نے الہلال کو ٹائپ میں چھاپا جس میں تصاویر بھی چھپ سکیں۔ جس کا میٹر علمی وتاریخی ہو اور مقصد بھی عظیم ہو''1

الہلال اپنی اشاعتی زندگی کے تین ادوار سے گزرا۔ اس کا پہلا دور 13 جولائی 1912ء سے شروع ہو کر 18 نومبر 1914ء پر ختم ہوا۔ دوسرے دور میں اس کا نام البلاغ تھا۔ یہ نومبر 1915ء سے مارچ 1916ء تک جاری رہا۔ تیسرا اور آخری دور پھر الہلال کے نام سے تھا جو جون 1927ء سے شروع ہو کر دسمبر 1927ء میں ختم ہو گیا۔

الہلال کے مضامین کے موضوعات میں بے حد تنوع پایا جاتا تھا۔ ایک طرف معاشیات، جغرافیہ، تاریخ اور عمرانیات تھے تو دوسری طرف مذہب، سوانح اور ادب، اسی کے ساتھ ساتھ سیاست اور حالات حاضرہ بھی اس کی زد پر تھے۔ نئی کتابوں رسالوں اور اخبارات پر تبصرے بھی اس میں ہوتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد برطانوی حکومت کے ہر ظلم وجبر کے خلاف آواز بلند کرتے تھے۔ اور اس

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص 65-164.

شخص کے خلاف بھی جو برطانوی حکومت کی بے جا حمایت کرتا، اور ملک وملت کے مفاد کو اپنے مفاد پر قربان کرتا۔ الہلال کے مطالعے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ برطانوی حکومت کے سنسر اور پابندیوں کے باجود یہ اپنے دور کا واحد اخبار تھا جو قارئین کی بین الاقوامی سیاست خاص کر اسلامی ممالک کے جنگی حالات سے نہ صرف واقف کراتا تھا بلکہ ان واقعات کو صحیح پس منظر میں پیش کرتا تھا۔ لہذا سجاد انصاری لکھتے ہیں:

> ''الہلال نے ہندستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس طرح بیدار کردیا جس طرح نفخ صور سے لاکھوں برس کے سوئے ہوئے انسان زندہ ہوجائیں گے''. 1

مولانا ابوالکلام آزاد کے اسلوب اور جذبات کی صداقت کی وجہ سے یہ نکلتے ہی ساری فضا پر چھا گیا اور اس کی تعداد اشاعت چھبیس ہزار تک پہنچ گئی۔ جو شاید اس سے پہلے کسی اردو اخبار کا مقدر نہ بنی تھی۔ علامہ اقبال نے اس کے لئے خریدار فراہم کئے۔ چھوٹے قصبات و دیہات میں لوگ گروہوں میں بیٹھ کر اس کے مضامین سنتے تھے۔ علماء کا خیال ہے کہ الہلال اردو صحافت کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ مولانا امداد صابری اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''الہلال ہندستان کی آزادی کا نقیب تھا۔ اس کے تمام بیرونی نامہ نگاروں رپوٹوں سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح مختلف ملکوں سے آئی ہوئی رپورٹوں کو ایک لڑی میں پیرو کر پیش کیا جاتا تھا'' 2

کہا جاتا ہے کہ الہلال نے اردو صحافت کو ایک نئی جہت اور نئی زبان سے نوازا۔ جس میں کلاسک کا وقار اور جدید منطق کا زور تھا۔ ادب اور ہم عصر مسائل پر اعلی معیار

---

1. افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1995ء، ص 86.
2. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص 167.

کے طبع زاد مضامین اس پر مولانا کا علمی انداز فکر ایک تازیانہ تھا۔ مولانا امداد صابری کا ایک اور قول ملاحظہ ہو۔

''مولانا آزاد کی ادارت میں الہلال نے ہندستان کے عوام کو انگریزوں کے خلاف جدوجہد کی ہی دعوت نہیں دی تھی۔ بلکہ انھیں یہ بھی بتایا کہ انگریز سامراج کے خلاف ان کی جدوجہد تمام آزاد پسند اقوام کی جدوجہد کا ایک جز ہے۔ اس طرح الہلال نے ہندستان کے مجاہدین آزادی کے ذہنی افق کو وسعت بخشی اور ان کے عزم وارادوں کو پختگی دی'' 1

البلاغ کے بارے میں امداد صابری لکھتے ہیں:

''الہلال بند ہونے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے 16 نومبر 1919ء کو یہ اخبار کلکتہ سے شائع کیا۔ ہفتہ وار تھا مگر پندرہ روزہ ہوکر نکلتا تھا۔ صرف فروری 1915ء کے تین شمارے ہفتہ وار شائع ہوئے، اور آخری نمبر 17-16-15 تین شمارے 24-17 اور 3 اپریل 1916ء ملا کر نکالے گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو بنگال کی حدود سے نکلنے کا حکم مارچ 1916ء میں ملا۔ آپ رانچی گئے اور وہاں نظر بند کردئے گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ رانچی پہنچ کر اپنی نگرانی میں کسی سے البلاغ مرتب کراتے رہیں گے۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی کو اس مقصد کے لئے رانچی میں روکا۔ لیکن پروگرام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا اور البلاغ اس طرح بند ہوگیا'' 2

الہلال کے مختصر ادوار اور تسلسل کے قائم نہ رہنے کی ایک بڑی وجہ مولانا کا عملی

---

1. امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، 1953ء، ص168.

2. ایضاً، ص35-434.

سیاست میں سرگرم ہونا، بار بار کی نظر بندی اور گرفتاری تھی۔ لہذا رانچی کی نظر بندی میں تنہائی، اور اظہار و رسل و رسائل کی بندش کی وجہ سے وہ مستقل تصنیف و تالیف کی طرف مائل ہوئے۔ مولانا کی قید و بند کی زندگی سولہ سال پر محیط ہے۔ جس نے ہمیں ''تذکرہ'' ''ترجمان القرآن'' اور ''غبار خاطر'' تو دیئے جو ہمارا مایہ ناز سرمایہ ہے۔ مگر اردو زبان کو سر بلندی عطا کرنے والی صحافت سے ہم محروم ہو گئے۔

مولانا آزاد ایک صحافی، مجاہد آزادی، بلند پایہ ادیب اور وزیر تعلیم کی بھر پور ستر سالہ زندگی گزار کر 22 فروری 1958ء کو دہلی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مدنیہ بجنور:

مدینہ یکم مئی 1912ء سے بجنور سے نکلنا شروع ہوا۔ ابتداء میں یہ ہفت روزہ تھا۔ پھر ہفتہ میں دو بار شائع ہونے لگا۔ اس کے مالک محمد مجید حسن بجنوری تھے۔ شروع میں اس کی پالیسی حکومت سے ٹکرانے والی نہیں تھی، اس کے مدیر اسے معتدل اخبار بنائے رکھنا چاہتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ اس میں بھی مروجہ اردو صحافت کا مزاج در آیا۔ خصوصاً جب برطانیہ، ترکی کے خلاف صف آراء ہوا۔ اور خلافت المسلمین کا مسئلہ آیا تو ان مسلمانوں نے بھی، جو کچھ لوگوں کی کوششوں کی وجہ سے، انگریزوں سے التعلقات استوار رکھنا چاہتے تھے۔ سمجھ لیا کہ برطانوی حکومت کبھی ہندستانیوں بلکہ ایشیائیوں کی ہمدرد نہیں ہو سکتی۔

مدینہ کے مدیروں نے بھی یہ محسوس کیا اور مصالحانہ رویہ کو ترک کرتے ہوئے برطانوی حکومت کی زیادتیوں کو اپنے اداریوں اور شذرات میں کھل کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس اخبار میں سیاسی موضوعات پر نہ صرف مضامین شائع ہوئے، بلکہ نظمیں، غزلیں، طنزیہ مضامین بھی ہوتے، جن کا مطالعہ اس وقت کی ملکی سیاست خصوصاً اردو حلقے کی سرگرمیوں کو سمجھنے میں خاصی مدد کرتا رہا ہے۔ اس میں اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، حسرت موہانی، اور ظفر علی خاں جیسے لوگ لکھتے تھے۔ لہذا ملکی سیاست اور وطنی مسائل پر

بے باکانہ تبصرہ، مدینہ کا مزاج بن گیا۔ لہذا اس پر بھی حکومت کی ہمیشہ نظر رہی اور اس کے عتاب کا نشانہ بنتا رہا۔

جلیان والا باغ اور رولٹ ایکٹ پر مدینہ نے ایسے انقلابی انداز میں خبریں شائع کیں کہ حکومت نے اس پر پنجاب میں داخلے پر پابندی لگا دی۔ اس پابندی کے بعد 17 اگست 1919ء سے یہ ''یژب'' کے نام سے نکلنا شروع ہوا۔ مگر جب یہی پابندی یژب پر بھی عائد ہوگئی تو یہ دوسرے ہی مہینے پھر مدینہ کے نام سے نکلنے لگا۔ اور آخر تک نکلتا رہا 1

جنوری 1917ء سے یہ ہفتے میں دو بار شائع ہونے لگا۔ اور اہل قلم حضرات کا وسیع تر حلقہ اس میں شامل ہوگیا۔ مدینہ ایک اخبار کے ساتھ ساتھ ایک علمی و ادبی مجلّہ بھی تھا۔ پروفیسر محمود الٰہی صاحب اس کے انتخاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ''مدینہ کے اداریے اس کے شذرات اور اس کے بعض دوسرے کالم جیسے سر راہے وغیرہ میں اس کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا کہ اسلوب بیان اور طرز نگارش میں علم کے ساتھ ادب کی بھی ترجمانی ہوتی رہے..... جنگ آزادی میں تو متعدد اخبارات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن ادبی رنگ میں حریت پسندی کی ترویج و اشاعت میں مدینہ کا کردار کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا'' 2

اردو اخباروں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ہوا کے رخ کے ساتھ ساتھ ان کی پالیسی بدلتی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں ایک گونا صداقت بھی ہو۔ مگر اس سے استثناء کی مثالیں بھی بہت ہیں۔ اس سلسلے کا ایک اہم نام سیاست ہے جسے سید حبیب نے نکالا تھا۔ سید حبیب فوجی ملازمت چھوڑ کر صحافت میں آئے تھے۔ کلکتے سے لاہور تک اپنی صحافتی

---

1. سید محمد عقیل رضوی (مرتب) انتخاب مدینہ بجنور، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 1988ء، ص 10.
2. پروفیسر محمود الٰہی (پیش لفظ) انتخاب مدینہ بجنور، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 1988ء، ص 7-6.

زندگی میں وہ انگریزوں سے ٹکراتے رہے گو کہ یہ نقصان کا سودا تھا اور انہیں فقر و فاقے کی اذیت سے بھی گزرنا پڑا پھر بھی وہ جبر و ظلم کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔

مولانا آزاد صحافتی زندگی سے الگ ہو گئے تو ان کے صحافتی رفیق کار مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے ایک روزنامہ ''ہند'' کے نام سے جاری کیا۔ وہ بھی عمر بھر صحافت سے ہی وابستہ رہے اور ہند کے بعد ہفتہ وار ''اجالا'' نکالا۔

اس زمانے کے ایک اور باوثوق صحافی قاضی عبدالغفار ہیں جو پہلے ''ہمدرد'' میں سب ایڈیٹر تھے۔ کچھ دنوں کلکتہ کے ''جمہور'' سے بھی وابستہ رہے۔ بعد میں حیدر آباد آ کر روزنامہ ''پیام'' جاری کیا۔ آزادی کے بعد انجمن ترقی اردو کے سیکریٹری ہو کر علی گڑھ آئے اور آخر تک انجمن کے پندرہ روزہ ''ہماری زبان'' کے لئے لکھتے رہے۔

اس وقت کے دوسرے اہم اخباروں میں ''الجمیعتہ''، ''الہلال''، ''دور جدید''، ''دعوت''، ''الامان''، ''وحدت''، ''نئی دنیا''، ''ملاپ''، ''پرتاپ''، ''تیج'' اور ''سویرا'' کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان میں کچھ روزنامے تھے اور کچھ ہفت روزے۔

تحریک آزادی کی حمایت کرنے والے اخباروں میں ایک ''قومی آواز'' بھی تھا جو آج تک کامیابی سے چل رہا ہے۔ لاہور سے ایک اخبار ''امروز'' میاں افتخار الدین نے نکالا، یہ ظاہری اور معنوی دونوں لحاظ سے معیاری اخبار تھا۔

دوسری عالمی جنگ کے زمانے میں اخباروں میں مزید اضافہ ہوا۔ چونکہ اس جنگ کا اثر ہر طرح سے ہندستان پر بھی پڑ رہا تھا لہذا یہاں کے عوام کو جنگی خبریں جاننے میں دلچسپی بڑھی، پھر جنگی ضروریات کی وجہ سے سرکاری اشتہارات میں اضافہ ہوا تو بہت سے نئے نئے اخبار جاری ہوئے۔ ان اخباروں میں ''جنگ''، ''انجام''، ''نوائے وقت''، ''انقلاب''، ''ہندستان''، ''آفتاب''، ''جمہوریت''، اور ''اقبال'' کے نام قابل ذکر ہیں۔ انہی کے ساتھ کچھ ہفت روزے اور ماہنامے بھی قوم کو بیدار کرتے رہے جن میں ''زمانہ''، ''ایشیا''، ''نئی دنیا''، ''کلیم''، ''شاعر''، ''حریت''، ''آئینہ'' اور ''ریاست'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق 1947ء تک ہندستان میں 1547 اردو اخبارات شائع ہو رہے تھے۔ مگر یہاں صرف ان اخبارات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے کسی زاویے سے اردو صحافت کے معیار و وقار میں اضافہ کیا ہے۔

انیس سو سینتالیس میں ہندوستان آزاد ہی نہیں ہوا بلکہ تقسیم بھی ہو گیا جس کی وجہ سے اردو صحافت کو زبردست دھچکا پہنچا۔ بہت سے اخبارات اور پریس ہنگامے کی نظر ہو گئے۔ بہت سے صحافی اور قارئین ہجرت کر گئے۔ جس کی وجہ سے قارئین کی بھی کمی ہو گئی۔ پھر اردو کے ہندوستان میں سرکاری زبان نہ رہ جانے کی وجہ سے بھی اردو صحافت متاثر ہوئی۔

لیکن یہ کمی کسی حد تک اس طرح پوری ہوئی کہ کچھ صحافی اور اردو جاننے والے پاکستان سے ہجرت کر کے یہاں آ گئے۔ آزادی کے بعد یہاں آ کر شروع ہونے اور جمنے والے اخباروں میں ''ملاپ''۔ ''پرتاب'' اور ''ہند سماچار'' کافی مشہور ہیں۔

حیدر آباد سے نکلنے والے اخباروں میں ''رہنمائے دکن''۔ ''منصف'' اور ''سیاست'' ہیں۔ جن میں ''سیاست'' اور ''منصف'' نہ صرف یہ کہ آج بھی جاری ہیں۔ بلکہ روز افزوں ترقی کر رہے ہیں۔ اب یہ آفسیٹ پر نکلنے لگے ہیں۔ اور ملک کے اہم کثیر الاشاعت اخباروں میں شامل ہیں۔

بمبئی سے نکلنے والا ''انقلاب'' جو دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں شروع ہوا تھا اب آفسیٹ پر چھپنے لگا ہے۔ بمبئی سے نکلنے والا ایک اچھا اور بڑا ہفت روزہ ''بلٹز اردو'' بھی کافی مقبول ہے۔ کلکتہ کا ''آزاد ہند'' جو پہلے لیتھو پر چھپتا تھا اب آفسیٹ پر چھپتا ہے۔

اس کے علاوہ دہلی بھوپال۔ پٹنہ، لکھنؤ، بنگلور، سری نگر اور دیگر شہروں سے بہت سے نئے اخبار نکلنے لگے ہیں۔ جن میں روزنامہ ''راشٹریہ سہارا اردو'' مقبول ترین اخبار ہے۔ رجسٹرار آف نیوز پیپرز آف انڈیا کی 1983ء کی رپورٹ کے مطابق اس وقت ہندوستان میں 1330ء اردو اخبارات نکل رہے تھے۔ جس میں روزنامے، ہفت روزے، پندرہ روزے اور ماہنامے شامل ہیں۔ 1957ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس میں تین گنا

اضافہ ہوا ہے طباعت اور گیٹ اپ کے لحاظ سے بھی ان کا معیار بلند ہوا ہے۔ پھر بھی ایسے اردو اخبارات جنہیں واقعی معیاری کہا جا سکے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اخبارات یا رسائل انفرادی ملکیت ہیں۔ وہ بھی ایسے افراد کی جن کے پاس مطلوبہ سرمایہ نہیں ہے اور کچھ اخبارات تو صرف زائد اخباری کاغذ اور سرکاری اشتہارات حاصل کرنے کے لئے نکالے جا رہے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے تک اردو صحافت کی ابتری کی ذمہ دار چار چیزیں قرار دی جاتی تھیں۔

- قاری کی کمی۔
- کتابت وطباعت کی معقول سہولت نہ ہونا۔
- اردو نیوز ایجنسی کا نہ ہونا۔
- اشتہارات کی کمی۔

فی زمانہ ان میں سے پہلی تین دشواریاں کسی حد تک دور ہو چکی ہیں پریس رجسٹرار کی رپورٹ کے مطابق اردو قاری کی تعداد بڑھی ہے۔

قومی اردو کونسل کے کتابت اور کمپیوٹر سکھانے کے مراکز قائم کر دینے کی وجہ سے کاتب کمیاب نہیں رہے۔ پھر یہاں ایسے کمپیوٹر ایجاد ہو گئے ہیں جن کا خرچ ایک اوسط درجے کا اخبار بھی آسانی سے برداشت کر سکتا ہے۔ اور نفیس سے نفیس طباعت کے لیے آفسیٹ کی مشینیں بھی دستیاب ہیں۔

اب ایسی بہت سی نیوز ایجنسیاں بھی یہاں قائم ہو گئی ہیں جو خبریں اور دوسرے اخباری مواد اردو میں مناسب قیمت پر فراہم کراتی ہیں۔

البتہ اشتہارات کی کمی کی شکایت بجا ہے۔ لیکن مناسب طریقے سے کوشش کی جائے تو اس پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔

اخبار کاخبری حصہ

خبر نگاری:

خبر نگاری کے فن کی ابتداء ہوئے تقریباً دو ہزار سال گذر چکے ہیں۔ پر بھی اس کی جامع اور مکمل تعریف نہیں کی جاسکی۔ جامع اور مکمل سے مراد ایسی تعریف ہے جس پر صحافیوں کی اکثریت متفق ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ جس طرح خوشبو، سچ اور محبت کو محسوس کرنا آسان ہے مگر بیان کرنا مشکل وہی حال خبر کا بھی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک واقعہ کسی شخص یا گروہ کے لئے خبر ہوسکتا ہے تو دوسرے کے لئے صرف واقعہ رہتا ہے خبر نہیں بنتا۔ اس سب کے باوجود بعض حضرات نے خبر کی تعریف کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً صحافت کے باوا آدم لارڈ نارتھ کلف صحافت کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

''کوئی بھی غیر معمولی واقعہ خبر ہے۔ جب کہ عام واقعہ خبر نہیں'' 1

اس بات کو امریکی صحافی جان.لی. بوگارڈ (سٹی ایڈیٹر) نیویارک مشن۔ مثال کے ساتھ یوں بیان کرتا ہے۔

''اگر کتا انسان کو کاٹے تو وہ خبر نہیں، البتہ انسان کتے کو کاٹے تو خبر ہے'' 2

اس بات میں کسی حد تک صداقت کے باوجود اس کے کچھ حصے تشنہ ہیں۔ اگر کتا کسی عام انسان کو کاٹے تو یقیناً خبر نہیں کہ کتے انسان کو کاٹتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اگر کتا برطانیہ کے پرنس چارلس کو کاٹ لے تو یہ واقعہ خبر کے دائرے میں آجائے گا۔ بہر حال اس سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو بات غیر معمولی ہو وہ خبر ہوسکتی ہے۔

---

1. احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء، ص 11.

2. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 55.

کچھ اور مشہور تعریفوں کا خاکہ نیچے پیش کیا جا رہا ہے۔

''خبر وہ درست اطلاع یا نظریہ ہے جس سے قارئین کی اکثریت کو دل چسپی ہو'' (ڈاکٹر ایم ایل اسپنسر)

''کسی بھی ایسے اہم واقعے کی پہلی اطلاع خبر کہلاتی ہے جس سے اخبار پڑھنے والوں کو دل چسپی ہو'' (ایری بی ہاپ وُڈ)

''خبر ایسی اطلاع کی، غیر متعصب رپورٹ ہے، جس میں کسی تازہ واقعہ یا حادثہ کا حال ہو اور ایسا حال شایع کرنے سے اخبار کے قارئین کی دل چسپی کا سامان مہیا ہوتا ہو'' (ولیم بیس مالبی) 1

احمد نسیم سندیلوی ایسی بہت سی تعریفات کے اہم نکات کو یکجا کر کے ایک عام تعریف اس طرح مرتب کرتے ہیں۔

''خبر کسی ایسے واقعے کا بیان ہے جو نیا ہو، عمومی دل چسپی کا باعث ہو، تازہ ہو۔ پہلے سے کسی کو معلوم نہ ہو، جو متحیر کرے۔ جس میں کاملیت ہو پڑھنے والا تشنہ نہ رہے۔ اس کے بیان میں عصبیت نہ ہو جو اخبار یا جریدے میں شائع کرنے کے قابل ہو، اور جس کی اشاعت سے کسی کی تضحیک یا تذلیل نہ ہوتی ہو'' 2

بعض افراد اسے چاروں سمتوں کے ابتدائی حروف سے مل کر بنا ہوا بتاتے ہیں۔

NORTH -N

EAST -E

WEST -W

SOUTH -S = NEWS

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 56.

2. احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء، ص 15.

یعنی چاروں اطراف میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی اطلاعات کو نیوز یعنی خبر کہتے ہیں۔ بعض ''نیوز'' کو ''نیو'' کی جمع بتاتے ہیں۔ جس کی رو سے ہر نئی بات خبر ہے۔ قواعد کی رو سے نیوز نیو کی جمع ہو یا نہ ہو اتنی بات ضرور ہے کہ کوئی اطلاع یا امر واقعہ کا بیان اسی وقت تک خبر رہتا ہے جب تک کہ وہ نیا ہو۔ پرانا ہوتے ہی اس کی خبری اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

خبروں کے سلسلے میں پانچ ڈبلیو (W) اور ایک ایچ (H) اہمیت کا حامل ہے۔

WHAT ?	کیا ہوا۔
WHERE ?	کہاں ہوا۔
WHEN ?	کب ہوا۔
WHO ?	کون کون ملوث تھے۔
WHY ?	کیوں ہوا۔
HOW ?	کیسے ہوا۔

اگر کسی بھی واقعے کی تفصیل میں ان چھ سوالوں کے جواب مل جائیں تو خبر کامل سمجھی جائے گی۔ اردو میں اسے چھ کافی اصول کہتے ہیں۔

ماہرین صحافت اور خبروں کی تعریف کرنے والے خبر میں معروضیت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ یعنی خبر میں امر واقعہ کا بیان بے باک، غیر جانبدار، اور ذاتی احساسات وتاثرات سے پاک ہونا چاہئے۔ تمام ذرائع ترسیل کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خبروں کو بلا کم وکاست قارئین وسامعین تک پہنچائیں۔ جہاں تک خبروں کی توضیح، ردعمل یا ان پر تبصرے کا سوال ہے اس کے لئے اخبارات میں ادارتی صفحات اور ریڈیو ٹیلی ویژن میں تبصرے موجود ہیں۔

نہ صرف یہ کہ اصولی طور پر خبروں میں معروضیت قائم رکھنی چاہئے بلکہ قارئین، ناظرین وسامعین کے ساتھ انصاف بھی اسی صورت میں ہوگا جب خبریں اصل صورت میں ان تک پہنچیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خبروں میں پوری طرح معروضیت قائم رکھنا ممکن ہے۔ دراصل صحافی بھی معاشرے کا ایک فرد ہوتا ہے اور اس پر

معاشرے اور قوم کی بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کیا وہ کسی بات کو صرف اس لئے شائع کر دے کہ وہ سچ ہے۔ کچھ سچ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے معاشرے میں تشدد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ قانون شکنی کے رجحان کو تقویت مل سکتی ہے، فرقہ وارانہ عصبیت کو طاقت پہنچ سکتی ہے۔ اخلاق عامہ متاثر ہوسکتا ہے کسی ایک فرقے کے خلاف نفرت پیدا ہوسکتی ہے۔

ایسی صورت میں فارسی کے اس مقولے سے احتراز نہیں کیا جاسکتا کہ ''دروغ مصلحت آمیز به از راستی فتنه انگیز'' لہذا اس کی یہ توضیح بھی کی جاسکتی ہے کہ صداقت کے اصول کو برتنے کا یہ مقصد ہے کہ جو خبر شائع ہو وہ سچائی پر مبنی ہو، مگر اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ سچائی پر مبنی ہر بات شائع ہی کی جائے۔

خبر کی اهمیت:

خبر عوامی میراث سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں کاپی رائٹ کا اطلاق خبروں پر نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف خبر تحریر کرنے کے سلیقے اور انداز پر ہوتا ہے۔ خبر عوام کی ناگزیر ضرورت ہے لہذا اسے کسی فرد کی ملکیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مشہور انگریزی مصنف اور صحافی ڈیفو نے کہا تھا کہ سماج کو تقویت خبروں سے ہی ملتی ہے اور انسانی زندگی کے کامیاب چلن میں خبروں کا وقیع مقام ہے۔ خبر گویا زمانے کی آواز ہے۔ ہم عصر دور کی ایک اہم پیداوار ہے۔ 1

کون سی خبر اہم اور قابل اشاعت ہے اور اسے کتنی اہمیت دی جائے یعنی اسے کس صفحے پر جگہ دی جائے وہ ایک کالمی ہو دو کالمی یا تین کالمی اس کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

- خبر پڑھنے یا سننے والے کون لوگ ہیں۔
- خبر میں کتنے لوگوں کی دلچسپی ہے۔

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 57.

- خبر چھاپنے یا نشر کرنے والے کون لوگ ہیں۔
- خبر میں کتنے لوگ ملوث ہیں۔

یہ درست ہے کہ صحافت کی اپنی اقدار ہیں۔ اس کے کچھ اصول ہیں جن کی بنا پر خبروں کی اہمیت یا انھیں چھاپنے یا نہ چھاپنے کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ مگر یہ سب نظریاتی چیزیں ہیں۔ عملی صحافت میں تجارت کا وہی اصول کارفرما ہے کہ کس چیز کی مانگ ہے اور اس کی کیا قیمت مقرر کی جائے۔ زمانہ تھا کہ صحافت مشن ہوا کرتی تھی اب صرف پیشہ ہے۔ بعض اخبارات اب بھی ایسے ہیں جو صحافت کو ایک مقدس فریضہ سمجھتے ہیں لیکن دنیا میں اکثریت بلکہ بھاری اکثریت ایسے اخبارات کی ہے جو اسے صرف اور صرف تجارت کی طرح برتتے ہیں۔ اگر وہ کچھ اقدار کو اپنائے ہوئے ہیں تو اس وجہ سے کہ ان کو اپنانے سے ان کی جنسِ فروخت کی مانگ بڑھے گی۔ لہذا آج خبر کی اہمیت اس نقطۂ نظر سے ہوتی ہے کہ اسے پڑھنے یا سننے والے کون ہیں اور کتنے ہیں۔

ہر اخبار میں خبروں کا معیار مختلف ہوتا ہے، جو خبر بڑے شہر کے اخبار کے لئے اہم ہے ضروری نہیں کہ وہ قصبے کے اخبار کے لئے بھی اہم ہو۔ انگریزی زبان کے اخبار کے لئے کوئی خبر اہم ہوگی تو علاقائی زبانوں کے اخبار کے لئے کوئی اور۔ خبر کی اہمیت ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبے کے لئے الگ الگ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بین الاقوامی اخبار بین الاقوامی خبروں کو، قومی اخبار قومی خبروں کو اور علاقائی اخبار علاقائی خبروں کو نسبتاً زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا تجارتی اصولوں کے تحت خبر کا ایک پہلو ہے کہ قارئین کو وہ دیا جائے جو وہ چاہتے ہیں۔ مگر کسی ادارے سیاسی جماعت یا ان کے اثر میں چل رہے اخبار قارئین کو وہ دیتے ہیں جو وہ انھیں دینا چاہتے ہیں۔ ایسے اخبارات خریدتے بھی وہی لوگ ہیں جو اس ادارے یا جماعت کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں۔

ہر شخص کی اپنی پسند و ناپسند ہوتی ہے۔ اس طرح بعض خبریں کچھ افراد کے لئے اہم ہوتی ہیں اور کچھ کے لئے نہیں۔ لیکن فرد کی طرح پسند و ناپسند اکثریت کی بھی ہوتی

ہے۔لہذا خبر کی اہمیت کے حوالے میں اکثریت کی پسند و ناپسند بھی آجاتی ہے۔

خبر کو اہمیت کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے عموماً مندرجہ ذیل جزئیات کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

- خبر میں کتنے لوگ دل چسپی لیں گے (وسعت)۔
- خبر سے کتنے لوگ متاثر ہوں گے۔
- خبر کے آئندہ کیا اثرات مرتب ہوں گے۔
- خبر کی نوعیت کیا ہے (بین الاقوامی، قومی یا مقامی)۔
- خبر کا منبع کون سی جگہ ہے (قرب مکانی)۔
- خبر میں انوکھا پن ہے یا عام سی خبر ہے۔
- خبر میں کتنی اہم شخصیت ملوث ہے۔
- خبر کتنی نئی ہے (قرب زمانی)۔
- خبر میں کسی راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے یا کسی سازش کی نشاندہی کی گئی ہے۔[1]

خبر کی اہمیت کا ایک اہم عنصر ''قرب مکانی'' ہے۔خبر جتنے نزدیک کی ہوگی اتنی ہی دل چسپی سے پڑھی جائے گی۔اسی طرح ایک عنصر ''قرب زمانی'' بھی ہے۔ خبر جتنی تازہ ہوگی اتنی ہی اس کی اہمیت ہوگی۔جو خبر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو احساسات میں کھلبلی پیدا کرے۔جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بہلائے، پریشان کرے یا غور و فکر پر آمادہ کرے اسے زیادہ اہم کہا جاسکتا ہے۔

خبروں کے اقسام:

خبروں کو بنیادی طور پر دو حصوں میں بانٹا گیا ہے۔

- واقعاتی خبر۔
- نیم واقعاتی خبر۔

---

1. احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء، ص 43-42.

کوئی بہت اہم بات وواقعہ مثلاً حکومت کا کوئی تازہ فیصلہ جس سے ملک کے حالات پر اثر پڑ سکتا ہو۔ یا اقوام متحدہ کی عالمی مسلے پر رائے دہندگی۔ یا ایسی تبدیلی وتغیر جس سے عوامی زندگی میں واضح فرق پیدا ہو جائے یا پیدا ہو جانے کے امکانات ہو جائیں، سخت خبر کہلاتی ہے۔

کوئی ایسی بات جو قاری کے علم میں آجانے یا نہ آنے کے باجود اس کی زندگی میں کوئی فرق نہ پڑے یا ایسے چھوٹے موٹے واقعات جو عموماً ہوتے ہی رہتے ہیں نرم خبر کہلاتے ہیں۔ 1

اس کی مزید تفصیل میں جائیں تو اسے پانچ حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

- سادہ خبر
- رواں خبر
- توضیحی خبر
- تحقیقاتی خبر
- وابستہ خبر 2

سادہ خبر: اگر کسی واقعے کو اس کے بنیادی حقائق کے ساتھ بیان کر دیا جائے اس کا کوئی پس منظر یا اس سے متعلق کوئی واقعہ بیان نہ کیا جائے اس پر نہ کوئی تبصرہ کیا جائے نہ اس کے اثرات کی نشاندہی کی جائے تو وہ سادہ خبر ہوگی۔ اخبارات میں شائع ہونے اور ریڈیو وٹیلی ویژن سے نشر ہونے والی زیادہ تر خبریں اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

رواں خبر: سادہ خبر سے یہ زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ اس میں بھی حقائق کا بیان کسی تبصرے کے بغیر ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ خبر گذشتہ روز کی خبر سے کسی نہ کسی طرح منسلک ہوتی ہے یا گذشتہ خبر کا حوالہ یا تذکرہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کانفرنس یا کھیل کی کاروائی

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 63.
2. احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء، ص 45.

ختم نہیں ہوئی ہے اور وہ جاری ہے تو آگے کی کاروائی کی خبر دی جاتی ہے۔ اگر امریکہ یا یوروپ کے کسی علاقے میں کوئی مذاکرہ یا کوئی پروگرام چل رہا ہے تو ہوسکتا ہے کہ کاروائی کی پوری تفصیل بروقت اخبار تک نہ پہنچ سکے اور وہ پہلے روز اس کے وقوع پذیر ہونے کی صرف اطلاع ہی دے سکے۔ باقی تفصیلات دوسرے روز بیان کرے اس میں بھی حقائق کا بیان کسی تبصرے کے بغیر ہوتا ہے۔

توضیحی خبر : اس طرح کی خبر میں سادہ بیانی کے ساتھ ساتھ حقائق کی تفصیل وتصریح پچھلے حقائق کا حوالہ، واقعات یا صورت حال کا پس منظر بھی بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی سیاسی گروہ یا پارٹی پر سے حکومت نے پابندی ختم کردی یہ ایک سادہ خبر ہوگی مگر اس کے ساتھ یہ بھی بیان کردیا جائے کہ حکومت نے یہ پابندی کب لگائی تھی۔ اس پارٹی یا گروہ کا سیاسی نظریہ کیا تھا۔ پابندی عائد کرنے کی وجہ کیا تھی اور اب پابندی کیوں اٹھائی گئی تو یہ ایک توضیحی خبر ہوگی۔ توضیحی خبر میں کبھی کبھی معروف حضرات بھی شامل کرلئے جاتے ہیں۔ سادہ خبر یا اس کا ایک حصہ الگ سے توضیحی خبر بھی بن سکتا ہے۔ مثلاً اے. پی. جے. عبدالکلام ہندستان کے نئے صدر منتخب ہوگئے۔ یہ ایک سادہ خبر ہوگی مگر اس کی توضیحی خبر یہ ہوسکتی ہے کہ ان کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے نہیں ہے اور وہ سیاسی آدمی بھی نہیں وہ ایک سائنسداں ہیں۔ ان کی ایجادات سائنس کے کس میدان میں ہیں۔ بحیثیت صدر ان کی مصروفیات سے ان کی سائنسی تحقیق متاثر ہوگی یا نہیں ہوگی۔

تحقیقاتی خبر: تحقیق اور خبر کا چولی دامن کا ساتھ ہے ذرا غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ کوئی واقعہ تحقیق کے بغیر خبر بنتا ہی نہیں۔ صحافیوں کا خیال ہے کہ خبر کا مطلب ہی تحقیق شدہ واقعہ ہے۔ صحت مند اور مثبت صحافت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ افواہوں، سنی سنائی باتوں اور غلط اعداد وشمار پر مبنی واقعات وصورت حال کی اشاعت سے پہلے جانچ کر کے اس کی صحت کا یقین کرلیا جائے اور یہ یقین تحقیق کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ مزید یہ کہ خبر میں جتنی زیادہ تحقیق ہوگی قاری کی دلچسپی خبر میں اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

کیونکہ اس طرح اسے وہ معلوم ہوگا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ کسی بھی خبر میں تجسس برقرار رکھنے کے لئے اس کے نوع بہ نوع پہلوؤں کو اجاگر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ تحقیق کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ انسانی سرشت میں جستجو اور زیادہ سے زیادہ جاننے کا عنصر کافی پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاری اپنی دل چسپی کی خبروں میں زیادہ سے زیادہ تفصیل جاننا اور متعلقہ حقائق کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ قارئین کی اس خواہش کی تسکین تحقیق کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔ تحقیقاتی خبریں جرائم سے پردہ اٹھانے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ تحقیقاتی خبر نگاری میں خبر کے مخفی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ مثلاً اشیائے ضروری کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ یہ سادہ سی خبر ہوگی۔ لیکن قیمتیں کیوں بڑھ رہی ہیں۔ ان کو پیدا کرنے والوں سے مل کر معلومات اکٹھا کرنا، قیمتوں پر قابو رکھنے والے محکمے کے افسران سے مل کر ان کی ناکامی کی وجہ معلوم کرنا، ماہرین اقتصادیات سے مل کر ان کی رائے جاننا۔ صارفین کی رائے کو اس میں شامل کرنا۔ پھر ان تمام اجزاء کو ملا کر خبر بنانا تحقیقاتی خبر کے زمرے میں آئے گا۔ جس میں سادہ خبر کے مقابلے میں قارئین، سامعین و ناظرین کی دل چسپی زیادہ ہوگی۔

تحقیق و توضیح دونوں آج خبر کی بنیادی ضرورت بن گئے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی خبر مکمل محسوس نہیں ہوتی۔ آج تمام اعلیٰ صحافی اسے خبر کا معیار تسلیم کرتے ہیں۔

وابستہ خبر: ویسے تو یہ سادہ ہوتی ہے۔ اس میں پیش ہوئی شخصیت یا واقعہ زیادہ اہم یا دل چسپ نہیں ہوتا۔ لیکن کسی وابستگی کے سبب سے یہ شخصیت یا واقعہ دل چسپی کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً کسی غیر معروف شخصیت کی موت کی خبر بذات خود ''دل چسپی'' کا باعث نہیں ہوگی مگر اس کو اگر کسی بڑی شخصیت کا کسی مشہور فلمی ستارے کا بھائی بتا کر اس سے وابستہ کر دیا جائے تو اس میں دل چسپی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض واقعات کسی علاقے، شہر یا ملک سے وابستگی کی وجہ سے دلچسپ ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ خبروں کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں مثلاً قومی یا ملکی خبریں اور بین الاقوامی یا غیر ملکی پھر ان کی تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی ہے جیسے اضلاعی خبریں، مقامی

خبریں، کھیلوں کی خبریں، جنگی خبریں، حادثات کی خبریں اور تجارتی خبریں۔ مگر قاری سامع یا ناظر کے نقطۂ نظر سے یہ تقسیم کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہاں تک کہ صحافی کے نقطۂ نظر سے بھی ان کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ یہ تقسیم صرف خبروں کی شناخت کی غرض سے کی جاتی ہے۔

خبروں کے ذرائع: ابھی کچھ دنوں پہلے تک اچھے اخبارات کی خبروں کے حصول کے اہم ترین اور معتبر ترین ذرائع اس کے اپنے نمائندے ہوتے تھے۔ گو کہ اب ان کا استعمال کم ہو گیا ہے پھر بھی اچھے اخباروں کے نمائندے اندرون شہر، اندرون ملک اور بیرون ملک میں موجود ہوتے ہیں جو انھیں بروقت خبریں بھیجتے رہتے ہیں۔ ان نمائندوں کے لئے اخبار کی طرف سے کوئی حلقہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یا خبروں کی اقسام کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری مقرر کر دی جاتی ہے جیسے کھیل کود اور سماجی پروگراموں کی خبریں کوئی ایک نمائندہ دے گا دوسرا جرائم کی اور تیسرا عدالت کی۔

مگر اب اخبار، ریڈیو اسٹیشن یا ٹیلی ویژن مرکز کو جو خبریں فراہم کی جاتی ہیں ان کا سب سے بڑا ذریعہ نیوز ایجنسیاں ہیں[1]۔ کوئی بھی اخبار کتنا ہی بڑا اور مالی اعتبار سے کتنا ہی مستحکم کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے پورے ملک بلکہ پوری دنیا سے اپنے نمائندوں یا رپورٹروں کے ذریعے خبریں اور ان کی تفصیلات بروقت حاصل کر لینا ممکن نہیں۔ اور یہ مسئلہ کسی ایک شہر یا ایک ملک کے اخبار کا نہیں ہے بلکہ ساری دنیا کے اخبارات کا ہے۔ اس لئے دنیا کے بیشتر ممالک میں خبر ایجنسیاں قائم ہیں (یہ عالمی سطح کی بھی ہیں اور ملکی سطح کی بھی) جو مختلف علاقوں سے خبریں حاصل کر کے ان اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو قیمتاً فراہم کراتی ہیں جو ان سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تقریباً ہر بڑے ملک کی اپنی قومی یا نجی یا نیم سرکاری نیوز ایجنسیاں ہیں۔ یہ ایجنسیاں خبریں بہر صورت اپنے نمائندوں ہی کے ذریعے حاصل کرتی ہیں۔ لہذا جس طرح کسی ایک اخبار کے لئے اپنے طور پر ہر طرح کی خبریں حاصل کرنا ممکن نہیں اسی طرح کسی ایک ایجنسی کے لئے بھی ساری دنیا کی خبریں بروقت اپنے نمائندوں کے ذریعے حاصل کر لینا ممکن نہیں ہوتا۔ لہذا

''ایک ملک کے اہم خبر رساں ادارے دوسرے ملک کے خبر

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 80.

رساں ادارے سے معاہدے کرتے ہیں اور اس طرح پوری دنیا کے خبر رساں ادارے ایک دوسرے سے بالواسطہ یا براہ راست (بلاواسطہ) خبروں کی ترسیل کے سلسلے میں ایک دوسرے سے منسلک اور مربوط ہو جاتے ہیں'' 1

بڑے اخبارات نے اپنی ذاتی خبر رساں ایجنسیاں بھی قائم کر لی ہیں۔ جیسے ٹائمس آف انڈیا نیوز سروس، ایکسپریس نیوز سروس، خبر رسان ایجنسیاں عموماً ٹیلی پرنٹر کے ذریعے خبریں اخبار تک پہنچاتی ہیں۔ اور بعض پریس نوٹ یا پریس ریلیز کے طرز پر بھی خبریں اخبار کو فراہم کراتی ہیں۔

سرکاری دفاتر خبروں کے اہم مراکز ہیں۔ ضلع کے دفاتر، سکریٹریٹ، گورنر کا دفتر، پھر مرکز میں صدر جمہوریہ کی رہائش گاہ، وزیر اعظم کا دفتر، وزراء کے دفاتر، لوک سبھا، راجیہ سبھا، اسمبلی اور کونسل اور خود مختار اداروں کے شعبہ تعلقات عامہ کے شعبہ اطلاعات یا افسر اطلاعات سے خبریں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح عدالتیں بھی خبریں حاصل کرنے کا اچھا ذریعہ ہیں۔ جرائم کی خبری اہمیت مسلم ہے لہذا پولیس کا محکمہ بھی خبروں کا ایک وسیلہ ہے۔ آپسی لڑائی، جھگڑے، حادثے اور جرائم کے شکار اسپتال لائے جاتے ہیں۔ یہیں سے اہم شخصیتوں کی بیماری صحت و موت کی اطلاعات حاصل ہوتی ہیں لہذا اسپتال بھی خبروں کا بہتر ذریعہ ہے۔ فائر بریگیڈ کے دفتروں اور ہوٹلوں سے بھی کافی مواد مل جاتا ہے۔ سماجی خدمت گار انجمنیں، سیاسی جماعتوں اور یونیورسٹیوں کے دفاتر، مقبول سماجی خدمت گار، صرافہ بازار، اسٹاک ایکسچینج، حجام کی دکانوں، پھول بیچنے والوں غرض کہ خبریں قدم قدم پر ملتی ہیں۔ انہیں حاصل کرنے والا مستعد ہونا چاہئے۔

خبر نگاری کے طریقے :

خبروں کو حاصل کر لینے کے بعد مسئلہ آتا ہے انھیں کس طرح اخبار میں سجا کر قارئین کے

---

1. احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992ء، ص 69.

سامنے پیش کیا جائے۔ سجاوٹ جتنے فنکارانہ طریقے سے ہوگی اخبار میں قارئین کی دلچسپی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

صحافتی انداز بیان کتابی انداز بیان سے مختلف ہوتا ہے۔ اخبار کی تحریر میں اطلاع اہم ہوتی ہے جس کے بالواسطہ ابلاغ پر زور دیا جاتا ہے۔ یعنی اسے اس انداز سے تحریر کیا جائے کہ قاری اپنے دماغ پر زور دیئے بغیر یا غور وفکر کے عمل سے گذرے بغیر فوراً بات کی تہہ تک پہنچ جائے۔ تحریر میں نفس مطلب، استدلال اور نتیجہ کا لحاظ ہو۔ زبان کی چاشنی اور لطافت کو بھی برقرار رکھا جاسکے تو اخباری تحریر کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔ ویسے خبری تحریر میں الفاظ ہلکے پھلکے، جملے چھوٹے چھوٹے، زبان سادہ وآسان اور پیراگراف چھوٹے چھوٹے ہوں تو بہتر ہے۔

خبریں تحریر کرنے کی کچھ مخصوص تکنیک ہوتی ہے جس کے ذریعے خبر کو جاذب اور دل چسپ بنایا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر خبریں چار طریقوں سے لکھی جاتی ہیں۔

- الٹا اہرام
- خلاصہ
- معطل دل چسپی
- سلسلہ وار بیان

الٹا اھرام:

خبریں تحریر کرنے کا ایک طریقہ الٹا اہرام ہے۔ اہرام مصر کی شکل تکونی مخروطی ہوتی ہے۔ خبر تحریر کرنے میں الٹے اہرام سے مراد یہ ہے کہ ابتداء میں انتہا کو پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو اہم ترین بات ہوتی ہے وہ سب سے پہلے درج کی جاتی ہے۔ جیسے جیسے پیراگراف بڑھتے ہیں کم اہمیت والی بات مذکور ہوتی ہے۔ یعنی پہلے پیراگراف میں سب سے اہم اور ضروری بات، اس سے کم اہمیت والی بات دوسرے میں اس سے بھی کم اہمیت والی تیسرے میں اسی طرح آخر تک۔ اس لئے ضروری نہیں ہوتا کہ خبر کی تفصیل سلسلہ وار بیان ہو۔ اس طریقہ کار کو آج کل زیادہ تر اخبارات نے اپنا

رکھا ہے۔اس کی مقبولیت کی کئی وجہیں ہیں۔

- اس طریقہ کار کو اپنا کر کوئی خبر مختصر بھی لکھی جاسکتی ہے اور طویل سے طویل بھی۔
- جس قاری کے پاس کم وقت ہے وہ دو چار لائینوں میں اہم اور خاص بات معلوم کر لے گا۔
- جس کے پاس وقت کی کمی نہیں اس کے لئے پوری تفصیل بھی اس میں موجود ہوتی ہے۔
- اس میں سب ایڈیٹر کو سرخی جمانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔اگر جگہ کی کمی ہو جائے تو آخری حصے کو آسانی سے حذف کیا جاسکتا ہے۔
- پوری خبر کا لب لباب بھی پہلے پیراگراف میں دیا جاسکتا ہے۔جو مصروف قاری کو آسانی سے مطمئن کر دے۔

خلاصہ:

خبریں تحریر کرنے کا دوسرا طریقہ ''خلاصہ'' یا SUMMARY کہلاتا ہے۔اس میں کسی خبر کا خلاصہ یا ماحصل گو کہ مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔پھر بھی کوشش کی جاتی ہے کہ خبر سے متعلق دماغ میں آنے والے تمام سوالات کے جوابات اس میں حتی الامکان فراہم ہو جائیں۔کسی بھی خبر کا خلاصہ تحریر کرنے کے لئے نسبتاً وقت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔کیوں کہ یہاں تمام ضروری باتوں کو اور ان ضروری تفصیلات کو خوبی کے ساتھ تحریر میں سمو کر اسے جامع بنانا ہوتا ہے۔کوئی بھی موضوع ہو،واقعہ عالمی نوعیت کا ہو یا ملکی،خلاصے میں ایسا انداز اختیار کیا جاتا ہے کہ قاری کو واقعات اور اس کے کوائف کا قابل فہم اور محیط جائزہ مل جائے۔اس طریقہ کار کے حامیوں کا خیال ہے کہ اس میں خبر کو اچانک کہہ دینے کے بجائے مناسب پس منظر کے ساتھ کہنے کا موقع ملتا ہے۔جس میں اس کی اثر پذیری بڑھ جاتی ہے۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اس طریقہ کار پر خلوص کے ساتھ عمل کر کے خبر پیش کی جائے تو قاری کی بھرپور تشفی ہوتی ہے۔

معطل دلچسپی: جذباتی اہمیت کے مدنظر یا واقعے کی صورت حال کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اہم بات ابتداء میں ہی بتادی جائے تو خبر میں دل چسپی ختم ہوجانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں قاری کی دل چسپی آخر تک قائم رکھنے کے لئے اہم بات آخر میں ہی دی جاتی ہے۔

سلسلہ وار بیان: سب سے اہم بات کو سب سے پہلے بیان کرنے کا طریقہ آج مرغوب بھی ہے اور فائدے مند بھی۔ لیکن کچھ حادثات وحالات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ انھیں ٹھیک سے ذہن نشیں کرانے کے لئے تفصیلات سلسلہ وار ہی بیان کی جاتی ہیں۔ ہو بہو اسی ترتیب کے ساتھ جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئی تھیں۔ سید اقبال قادری لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ طریقہ کار ''سرگذشت نویسی'' بھی کہا جاتا ہے۔ عموماً کسی اہم عدالتی مقدمہ کے سلسلہ میں شائع ہونے والی تفصیلات میں یہ طریقہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔ کبھی کبھی پارلیمانی روداد کی اشاعت میں بھی اس انداز بیان کی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے'' 1

خبر کا ابتدائیہ: بنیادی طور پر خبر کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ابتدائیہ اور متن۔ سید اقبال قادری کا خیال ہے کہ

> ''دل کش اور مفہومی ابتدائیہ لکھنے میں کمال حاصل کرنا صحافتی استعداد کی معراج ہے عمدہ ابتدائیہ نویسی کامیاب صحافت کی ضمانت ہے'' 2

اس اقتباس سے ابتدائیہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں پوری خبر کا خلاصہ یا تعارف ہوتا ہے۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خبر

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی 1989ء، ص 97۔
2. ایضاً، ص 99۔

نگاری کی کامیابی کا راز بھی اسی آغاز میں پوشیدہ ہوتا ہے۔انگریزی میں اسے انٹرو(INTRO) کہتے ہیں جوانٹروڈکشن کا مخفف ہے۔خبر کا پہلا جملہ یا ابتدائی چند جملوں کا مجموعہ ابتدائیہ کہلاتا ہے۔اگر خبر مختصر ہوتو ابتدائیہ بھی مختصر ہوگا۔اگر خبر طویل اور اہم ہوتو ابتدائیہ بھی اسی مناسبت سے قدرے طویل ہوجائے گا۔

ایسا ابتدائیہ تحریر کرنا جو جامع ،مختصر ،معلوماتی اور حقائق پر مبنی ہوخبر نگاری کی کامیابی کا راز ہے۔کیونکہ یہی وہ حصہ ہے جو قاری سب سے پہلے پڑھتا ہے۔یہ اگر قاری کو مرعوب کرسکا تو ٹھیک ،نہیں تو وہ کسی اور خبر کی طرف رجوع کرتا ہے۔عموماً ابتدائیہ لکھنے کے لئے مندرجہ ذیل اصول برتے جاتے ہیں۔

- ابتدائیہ کوخبر کی مناسبت سے تحریر کیا جانا چاہئے۔
- ابتدائیہ اس طرح لکھا جائے کہ قاری ''خبر کی طرف'' مائل ہوجائے۔
- اسے مختصر سے مختصر ہونا چاہئے
- اس میں پوری خبر کا ماحصل آجائے۔
- ابتدائیہ کو چست نتیجہ خیز اور دل کش ہونا چاہئے۔

ابتدائیہ عام طور پر دوطرح کا ہوتا ہے۔

ملخص اور تعارفی ،ملخص ابتدائیہ وہ ہوتا ہے جس میں پوری خبر کا خلاصہ چند لفظوں یا چند جملوں میں بیان کردیا جائے۔بیشتر خبروں کا ابتدائیہ ملخص ہوتا ہے۔

تعارفی ابتدائیہ کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔اس میں سوال ،مقولہ ،رائے یا خبر کا ایسا تعارف جس میں دل چسپی اور اہمیت کا سامان موجود ہو۔

ابتدائیہ لکھتے وقت خبر کے مجموعی مزاج کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے۔مثلاً خبر صدمہ انگیز ہے تو ابتدائیے میں بھی غم وافسوس کے الفاظ ہوں اور لہجہ ہمدردانہ ہو۔خبر سنجیدہ ہے تو ابتدائیہ بھی سنجیدہ ہو۔اگر واقعہ نشاط انگیز ہے تو ابتدائیے کا لہجہ بھی نشاطیہ ہوسکتا ہے۔

ابتدائیہ اتنے دل کش انداز میں تحریر کیا جائے کہ قاری خبر کو آخر تک پڑھنے پر مجبور

ہو جائے۔ سرخی اگر جاذب ہے تو اس سے وہ خبر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پھر ابتدائیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قاری کی دل چسپی کو برقرار رکھے۔

سید اقبال قادری لکھتے ہیں:

''ابتدائیہ منضبط بھی ہو اور مختصر بھی، منظم بھی ہو اور گنجائش دار بھی۔ واضح بھی ہو اور مقدارِ الفاظ میں کم سے کم۔ خبر کا جو سب سے اہم نکتہ ہے وہ ''ابتدائیہ'' میں ضرور سمائے۔ نمایاں، پر مطلب، بامعنی یا عظیم نکتہ خبر کے ابتدائیہ ہی میں ظاہر ہو جائے۔ اگر قاری ایک یا دو جملے پڑھ کر رک بھی جائے تو خبر کی اہمیت یا اصلیت اس پر واضح ہو جائے'' 1

خبر کی طرح ابتدائیے میں بھی چھ کافی سوالات کے جوابات کا خلاصہ ہونا چاہئے۔ ہر خبر میں تمام سوالوں کے جوابات اہم نہیں ہوتے کسی خبر میں کسی کاف کا جواب اہم ہوتا ہے کسی میں کسی کا۔ لہذا خبر میں جس سوال کا جواب اہم ہو۔ ابتدائیے کا آغاز اسی جواب سے ہو ایسی خبریں کم ہوتی ہیں جن میں ''کب'' اور ''کہاں'' کا جواب اہم ہو۔ زیادہ تر خبریں ایسی ہوتی ہیں جن میں ''کیا''، ''کیسے''، ''کون'' اور ''کیوں'' کے جوابات اہم ہوتے ہیں۔ یا ان میں سے کسی ایک کا جواب اہم ہوتا ہے، چنانچہ ابتدائیے میں وہی جواب پہلے آنا چاہئے جو خبر میں اہم ہے۔ 2

ابتدائیے میں درج ذیل خصوصیات ہوں تو اس کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

- واقعات کے اعتبار سے صحیح ہو۔
- انداز کے اعتبار سے دل چسپ ہو۔
- مفہوم کے اعتبار سے واضح ہو۔
- خبر کے رنگ کا مظہر اور متن سے ہم آہنگ ہو۔

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 101۔
2. مسکین علی حجازی، فن ادارت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1992، ص 64۔

- اس میں سادہ جملوں کا استعمال کیا گیا ہو۔

ابتدائیہ لکھتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔

- تفصیل سے احتراز۔
- پیچیدہ جملوں سے پرہیز۔
- واقعات عمومی نوعیت کے بجائے حتمی اور واضح ہوں۔
- ابتدائیے کا آغاز اعداد و شمار سے نہیں کرنا چاہئے۔ ''35000 کے ایک جلوس نے مہنگائی کے خلاف مظاہرہ کیا'' کے بجائے ''ایک بڑے جلوس نے کر دیا جائے'' تو خبر موثر ہو جاتی ہے۔ اگر اعداد و شمار ضروری ہوں تو انھیں ہندسوں میں لکھنے کے بجائے حروف میں لکھا جائے۔
- ابتدائیے میں ''معلوم ہوا ہے''، ''کہا جاتا ہے''، خیال کیا جاتا ہے''، کا استعمال کم سے کم کرنا چاہئے۔
- مصروف قاری سرخی اور ابتدائیے سے ہی واقعے کی پوری نوعیت کا اندازہ کر لیتا ہے۔ لیکن اصولاً یہ بات درست نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ اس سے طوالت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے دوسرے یہ کہ ابتدائیے میں ساری تفصیلات دینے کے بجائے اسے قاری کو پوری خبر پڑھنے کی طرف راغب کرنے والا ہونا چاہئے۔ مزید یہ کہ اس میں تکرار سے اجتناب کرنا چاہئے۔

سرخیاں: عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں کہ ''خبر کے عنوان کو سرخی کہتے ہیں''.[1] جامع ہونے کے باوجود اس تعریف میں اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر قسم کے صحافتی مواد کا عنوان اس کی سرخی ہوتا ہے۔ خواہ وہ خبر ہو، مضمون ہو، فیچر یا ڈائری ہو۔ یہاں صحافتی مواد میں رسائل بھی شامل ہیں۔

سرخی کے اہم مقاصد یہ ہیں۔

- خبر کا تعارف کرائے

---

1. عبدالسلام خورشید، فن صحافت، مکتبہ کاروان، لاہور، 1966ء، ص 139.

- خبر کے اشتہار کا کام دے۔
- اخبار کی تزئین وآرائش میں مدد دے۔
- خبروں کی تقابلی اہمیت کو واضح کرے۔ 1

صحافت کی ابتداء سے ہی سرخی کا مقصد، نفس مضمون کا تعارف اور سرخی کے تحت جو مواد آیا ہے اس کی نوعیت کی نشاندہی رہا ہے۔ چونکہ یہ تشہیر کا دور ہے اس لئے سرخی کو جاذب بنا کر متن کے اشتہار کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ آج زیادہ تر اخبارات کا مقصد قاری کی دل چسپی ابھار کر اس کی توجہ کھینچنا ہوتا ہے۔ یہ کام وہ سرخیوں کے ذریعے آرائش اور خبروں کی تقابلی اہمیت کو واضح کر کے انجام دیتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کسی خبر کو پڑھنے یا نہ پڑھنے کا انحصار بڑی حد تک سرخی پر ہوتا ہے۔ مگر کچھ قارئین اپنی دل چسپی کی خبریں، تلاش کر کے پڑھتے ہیں۔ خواہ وہ کیسی ہی سرخی میں ہو۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کچھ قارئین کی مخصوص دل چسپی ہوتی ہے۔ کسی کو جرائم کی خبروں سے زیادہ دل چسپی ہوتی ہے تو کسی کو کھیل کی خبروں سے بعض سماجی خبروں میں دل چسپی لیتے ہیں تو بعض اقتصادی خبروں میں۔ مگر قارئین کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جن کی کوئی مخصوص دل چسپی نہیں ہوتی ان کی دل چسپی ابھارنے اور خبر کی طرف متوجہ کرنے میں سرخی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

مسکین علی حجازی کامیاب سرخی کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں۔

- خبر کے خلاصے یا اہم ترین نکتے کو صحیح طور پر بیان کر دے۔
- خبر کے متن سے ہم آہنگ ہو۔
- خبر کے مزاج اور لہجے کی عکاسی کرے۔
- آسان اور قابل فہم ہو۔
- اس میں اخبار کی رائے کا اظہار نہ ہو۔

---

1. مسکین علی حجازی، فن ادارت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1992، ص 164.

- قاری کو اپنی طرف متوجہ کرے۔
- ضابطہ اخلاق کے اندر رہتے ہوئے پرکشش ہو۔
- اس کی طوالت اور موٹائی میں توازن ہو۔
- اور اس کے لئے دی گئی خالی جگہ سے مناسبت رکھتی ہو۔
- اس میں الفاظ کی تکرار نہ ہو۔[1]

سرخیوں کی مختلف قسمیں عموماً تین امور کے تحت آتی ہیں۔

- طوالت کے اعتبار سے۔
- ہیئت کے لحاظ سے۔
- بناوٹ کے لحاظ سے۔

طوالت کے لحاظ سے سرخی کی قسم مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سرخیوں کو کالم کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے۔یعنی خبر کی اہمیت کے مطابق اسے اخبار میں جتنی جگہ دی جائے گی، سرخی بھی اسی مناسبت سے ہوگی۔ دو کالمی خبر کی سرخی دو کالمی اور چار کالمی خبر کی سرخی چار کالمی۔ ہیئت کے اعتبار سے مراد یہ ہے کہ دو یا چار کالمی سرخی، ضمنی سرخی ہوگی، بغلی سرخی ہوگی، جلی سرخی ہوگی یا خفی سرخی۔

بناوٹ کے لحاظ سے مراد یہ ہے کہ دو کالمی یا چار کالمی جلی یا خفی سرخی۔ منزل دار سرخی ہوگی۔ ایک منزلہ ہوگی یا چار منزلہ۔ آویزاں حاشیہ سرخی ہوگی یا مثلث معکوس سرخی۔

اس کے علاوہ خط کشیدہ سرخی بھی ہوتی ہے۔ حاشیہ دار سرخی بھی ہوتی ہے۔ زینہ دار سرخی بھی ہوتی ہے۔

سرخیاں بنانا ایک تخلیقی عمل ہے، یہ مضمون نویسی خبر نگاری اور کسی خبر یا مضمون کی تدوین سے بھی مشکل ہے۔اس میں چند نپے تلے الفاظ میں خبر کا خلاصہ بیان کرنا ہوتا ہے۔ اگر خبر یا مضمون کا اہم ترین نکتہ اس میں نہ آسکا تو سرخی ناکام ہو جائے گی۔ لہذا سرخی نگار میں خبر کی تہہ تک پہنچ کر اہم باتوں میں سے اہم ترین کا انتخاب کرنے کی صلاحیت ہونی

1. مسکین علی حجازی، فن ادارت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1992، ص166.

چاہئے۔ پھر اس اہم ترین بات کو مناسب ترین اسلوب میں، تیکھے پن کے ساتھ پیش کرے۔ ایسا جب ہی ہوسکتا ہے جب اسے زبان و بیان پر قدرت اور الفاظ کے گوناگوں استعمال کا علم اور تجربہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ مشق مہارت کی تکمیل کرتی ہے۔ لہذا مندرجہ بالا ہر دو خصوصیت کے باوجود کامیاب سرخی بنانے کے لئے مشق اور تجربے کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں جدت آفریں ذہن بھی معاون ہوتا ہے۔

خبروں کی طرح سرخیوں کا بھی ضابطہ اخلاق ہوتا ہے۔ لہذا اس سے وہی چیزیں نمایاں ہوں جو خبر کے متن میں ہیں۔ اسے گمراہ کن نہیں ہونا چاہئے۔ سرخیوں کو پرکشش بنانے کی ضرورت انھیں سنسنی خیز بنانے کی ترغیب دے سکتی ہے، اور ایسی جراءت زرد صحافت کے علم بردار اخبارات ہی کر سکتے ہیں۔

سب ایڈیٹر اور خبروں کی ادارت: سب ایڈیٹر کو اخبار کی عمارت کا اہم ترین پتھر کہا جاتا ہے۔ لیکن بدقسمتی یہی ہے کہ اس کا نام اخبار کے صفحات پر شائع نہیں ہوتا اور نہ اسے قارئین سے ذاتی ملاقات کا موقع ملتا ہے۔ ان کی حیثیت گمنام ستاروں کی سی ہے۔

سب ایڈیٹر کے لئے ہوش وخرد، ذہانت فطانت اور اچھی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ اس کی شخصیت میں توازن ہو وہ جذباتی نہ ہو۔ اپنے مخالفوں کی بے جا مخالفت اور حمائیتوں کی بے جا حمایت نہ کرے۔ اس کی نظر میں وسعت اور ذوق ستھرا ہوا ہو۔ اس کے اندر قوت فیصلہ قوت تمیز اور تحمل ہو۔ اس کا مطالعہ وسیع ہو۔ عصری مسائل، حالات حاضرہ اور عوامی رجحانات سے واقفیت رکھتا ہو۔ ہر طرح کے قوانین کی جانکاری ہو، زبان پر قدرت ہو، اور صحافت کے فن سے واقف ہو۔ کیوں کہ جیسے ہی کوئی خبر ٹیلی پرنٹر، ٹیلی فون یا ٹیلکس سے اخبار کے دفتر میں آتی ہے تو سب سے پہلے سب ایڈیٹر کے پاس جاتی ہے لہذا کسی بھی مواد کو جانچنا پرکھنا ترتیب دینا اور اشاعت کے لئے منتخب کرنا سب ایڈیٹر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اشاعت کے لئے منتخب کئے ہوئے مواد کی نوک پلک سدھارنا، ابتدائیہ

لکھنا، سرخی تجویز کرنا، پیراگراف مقرر کرنا، ہجے درست کرنا، ناموں کی صحت پر توجہ دینا ،قواعد کی رو سے عبارت کی تصحیح کرنا۔ سب ایڈیٹر کے فرائض میں داخل ہوتا ہے۔ خبر کی اہمیت کا اندازہ کرنا اور اسی لحاظ سے اس کے لئے جگہ کا تعین کرنا، یعنی خبر دو کالمی ہوگی یا چار کالمی، سب ایڈیٹر کا کام ہے۔ خبر پہلے صفحے پر دی جائے گی یا اندرونی صفحات پر، خبر باکس میں تزئینی حاشیے کے ساتھ شائع ہوگی یا بغیر تزئین کے، سرخی معمولی ہوگی یا غیر معمولی، یہ سب فیصلہ سب ایڈیٹر کرتا ہے۔ 1

بڑے اخبارات میں جہاں کئی سب ایڈیٹر ہوتے ہیں۔ وہاں چیف سب ایڈیٹر تمام سب ایڈیٹروں میں مواد تقسیم کرتا ہے ایسا کرتے ہوئے وہ سب ایڈیٹر کی کسی خاص موضوع، دائرۂ عمل یا شعبہ حیات یا مخصوص میدان کی مہارت کا خیال رکھتا ہے۔

عبارت کو چست اور جامع بنانے ،جملوں کی ساخت میں ہم آہنگی اور تناسب پیدا کرنے کیلئے الفاظ کو کاٹنا چھانٹنا ایڈیٹر کی ناگزیر ضرورت ہے۔ کامیاب سب ایڈیٹر ذرا سی توجہ سے پینتیس چھتیس الفاظ کے مطلب کو چودہ پندرہ الفاظ میں ادا کر دیتا ہے۔ مثلاً ''وزیر اعظم ہندستان شری اٹل بہاری واجپئی'' کی جگہ ''وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی'' اور ''مثال کے طور پر'' کی جگہ ''مثلاً'' لکھ کر کام چلا لے گا۔ اخباری تصاویر کا انتخاب بھی عموماً سب ایڈیٹر ہی کرتا ہے۔

اخباری تحریر کی خصوصیات: زبان کا بنیادی مقصد کسی اطلاع، مفہوم، خیال، تجربے، واقعات، کیفیت یا صورت حال کی پڑھنے یا سننے والوں تک ترسیل کرنا ہے۔ اگر کسی تحریر یا تقریر میں ایسی زبان استعمال کر دی جائے جو اس کے قاری یا سامع کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ تحریر یا تقریر بے مقصد ہو جاتی ہے۔

خبر چونکہ عوام کے ایسے گروہ کے لئے ہوتی ہے جس میں مختلف تعلیمی و مذہبی سطح

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 8-107 .

کے لوگ ہوتے ہیں لہذا خبر کی زبان کو زیادہ سے زیادہ سادہ اور آسان ہونا چاہئے۔لیکن رحم علی ہاشمی کا خیال ہے کہ

''نہ صرف خبروں بلکہ پورے اخبار کی زبان سادہ، بے تکلف، زوردار اور دل نشیں ہونی چاہئے'' 1

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اخبار کی زبان سادہ اور پر معنی ہو۔لہذا اخباری تحریر کو حشو وزائد سے مبرا ہونا چاہئے۔ویسے تو کسی بھی تحریر میں حشو وزائد مستحسن نہیں۔اخباری زبان میں خصوصاً اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔

ادب میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے کئی بڑے ادیب مل جائیں گے جو نہ صرف کثرت سے مترادفات کا استعمال کرتے ہیں بلکہ اس کے برجستہ استعمال سے تحریر میں حسن بھی پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔تاہم مترادفات کی زیادتی بلاغت کے منافی ہے۔تحریری ذرائع ترسیل میں جگہ کی کمی کی وجہ سے اور برقی ذرائع ترسیل میں وقت کی کمی کی وجہ سے Ecco. of word کا اصول برتا جاتا ہے لہذا ذرائع ترسیل میں مترادفات کا استعمال اس اصول کے بھی منافی ہوجاتا ہے۔عوامی ذرائع ترسیل کی ان ہی پابندیوں کے تحت کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی مفہوم سمو دینے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ ''وہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے'' کی جگہ ''ان کی شادی ہوگئی''۔''توقع ہے کہ اس معاہدے پر جلد دستخط ہوجائیں گے'' کی جگہ ''اس معاہدے پر جلد دستخط ہونے کی امید ہے'' لکھا جائے تو بہتر ہوگا۔

اسی طرح اخباری تحریر میں خیالات والفاظ کی تکرار کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ البتہ خبر کا ابتدائیہ اور اس کا متن اس سے مستثناء ہے۔کیونکہ خبر کے ابتدائیے کے خلاصے میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کی تفصیل متن میں ہوتی ہے۔گوکہ اس میں بھی تکرار نہ ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس دور میں تو یوں بھی مشکل زبان مناسب نہیں خصوصاً خبر میں تو نامانوس ادق

---

1. رحم علی ہاشمی، فن صحافت، انجمن ترقی اردو (ہند) آرمی پریس، دہلی، 1943ء، ص 42.

اور مشکل الفاظ سے ہر صورت میں پرہیز کرنا چاہئے۔ ایسے سادہ اور آسان الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے کہ صرف خواندگی کی اہلیت رکھنے والا قاری بھی سمجھ لے۔ برقی ذرائع ترسیل میں تو خواندگی کی شرط بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں مسکین علی حجازی لکھتے ہیں

''آسان اور سادہ الفاظ کے استعمال کے ساتھ ساتھ جملوں کی ساخت اور ترکیب بھی آسان ہونی چاہئے۔ مرکب اضافی یعنی اضافات کا کم سے کم استعمال کرنا چاہئے اور طویل جملوں کے بجائے مختصر جملے بنانے چاہئیں''.1

مرکب اور پیچیدہ جملوں کو نہ صرف سمجھنے میں بلکہ پڑھنے میں بھی دقت پیش آتی ہے۔ اس سے خبر کی پیش کش بھی متاثر ہوتی ہے، مرکبات کو توڑ کر سیدھے سادھے جملے بنا دینا کوئی مشکل امر بھی نہیں ہے۔ روزانہ اخبار ایک عام مطالعے کی چیز ہے اسے تحقیقی مقالہ نہیں بنانا چاہئے۔ اخباری بلکہ صحافتی زبان میں قواعد اور ہجوں کی صحت کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس میں جملوں کی ساخت درست اور صرف ونحو کے اصول کے مطابق ہو۔ کسی بھی زبان کے صحت مند استعمال کے لئے قواعد کی پابندی ضروری ہے۔ صحافتی زبان ہر لحاظ سے قابل فہم ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ مبہم الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جائے اور مروجہ اصطلاحیں استعمال ہوں۔ عربی فارسی اور انگریزی کے غریب الفاظ استعمال نہ کئے جائیں غیر معروف نام اور ذو معنی الفاظ کی وضاحت کے لئے اعراب کا سہارا لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ اخبار عوام کا معلم بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ موثر معلم جب ہی ہو سکتا ہے جب اس کی تحریر زبان کی سطح پر بھی دل چسپ ہو۔ یعنی روکھی پھیکی نہ ہو بلکہ اس میں کچھ چاشنی بھی ہو، مناسب الفاظ، محاورے، مقولے یا شعر کے ٹکڑوں کا برجستہ استعمال ہو جس سے زبان کا تیکھا پن نکھرے۔ سید اقبال قادری نے ادبی اور اخباری زبان کا موازنہ کرتے ہوئے بڑی اچھی بات کہی ہے۔

---

1. مسکین علی حجازی، فن ادارت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1992، ص 51.

''ادبی زبان فکر انگیز، خوب صورت، امتیازی اور جاذب
نظر ہوتی ہے، جب کہ اخباری زبان پر لطف، معلوماتی، جامع، سلیس
اور عام فہم ہوتی ہے'' 1

بار بار سادہ زبان، سادہ جملے، سادہ تحریر کا اعادہ کیا جارہا ہے یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ اس سے زبان کی دل چسپی میں کمی آجائے گی۔ سادہ الفاظ کی چست بندش، برمحل استعمال اور جملوں کے ہنر مندانہ تناسب سے سادہ سے سادہ اسلوب میں شیرینی، روانی، شگفتگی پیدا کی جاسکتی ہے۔

ادبی یا عام تحریر مخصوص قاری کے پیش نظر تحریر کی جاتی ہے اور یہ مخصوص متعلقہ قاری اعلیٰ نہیں تو متوسط ذہنی سطح کا مالک ہوتا ہے۔ اس کا قاری بھی محدود ہوتا ہے۔ صحافتی تحریر کا قاری لامحدود ہوتا ہے اسی لئے اس میں معمولی سے معمولی ذہن کا قاری بھی شامل ہوتا ہے۔

عام تحریر فرصت سے لکھی جاسکتی ہے۔ خاص ذہنی کیفیت طاری ہونے پر لکھی جاسکتی ہے اپنی مرضی کے ماحول میں لکھی جاسکتی ہے اس پر دوبارہ سہ بارہ نظر ثانی کر کے اسے نکھارا جاسکتا ہے مگر صحافتی تحریر کے لئے (خصوصاً خبر کے لئے) اتنی فرصت نہیں ہوتی۔ اس لئے خبر لکھنے کے لئے صحافی کو زبان پر زیادہ قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام ادیب اپنی دل چسپی کے موضوع کا انتخاب کرسکتا ہے۔ صحافی کو عموماً یہ سہولت بھی حاصل نہیں ہوتی۔

عام تحریر میں تشبیہہ واستعارہ اور رمز وکنایہ کا استعمال کر کے بالواسطہ بات کہنے اور طول کلام کے امکانات بھی ہوتے ہیں جب کہ صحافی ایسا نہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

عام علمی وادبی تحریر میں کہیں کہیں زبان ذریعے کے بجائے مقصد بن جاتی ہے یعنی اثر پذیری کے پیش نظر مقفع مسجع یا پرشکوہ زبان استعمال کرلی جاتی ہے۔ مگر خبر میں اس کی گنجائش نہیں۔ کہا جاتا ہے جو بڑی حد تک درست بھی ہے کہ'' ادیب ماحول کا پروردہ ہوتا

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 270 .

ہے تو صحافی ماحول کا ترجمان' بقول سید اقبال قادری:

''ادب کے ذریعے قاری کی حسیات میں ہلچل مچائی جا سکتی ہے۔ جب کہ صحافت کے ذریعے قاری کی عام معلومات میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ ادب میں عقل وفکر اور دلائل کی اہمیت ہے۔ جب کہ صحافت میں واقعات کے تسلسل کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ادب میں جمالیاتی جبلتیں موجزن رہتی ہیں۔ صحافت میں جمالیاتی حس دبی ہوئی رہتی ہے......... ادیب ادائے مطلب کے ساتھ طرز ادا کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ جب کہ صحافی نغمگی سے زیادہ صاف گوئی کو اہم سمجھتا ہے۔ ادبی تحریر میں ایمائیت، رمزیت، حسن و جمال۔ لطفت، نزاکت وغیرہ کے اجزاء نمایاں رہتے ہیں۔ جب کہ صحافت میں مقصدیت، حق گوئی، بے باکی، روانی، سہل نگاری اور اختصار نویسی کے اجزاء جلوہ فگن رہتے ہیں۔ ادب اذہان پر گہری چھاپ چھوڑنے کی سعی کرتا ہے۔ جب کہ صحافت میں ترسیل وابلاغ کی صلاحیت کو کامیابی سے بروئے کار لایا جاتا ہے''.[1]

مختصر یہ کہ صحافتی تحریر میں:

- سادہ اور سلیس الفاظ کا استعمال ہو۔
- جملوں کی طوالت کم سے کم ہو۔
- اسلوب بیان کے اصولوں کو برتا جائے۔
- تحریر کو رنگ وروپ بخشنے کی کوشش کی جائے۔
- متروک الفاظ، اسلوب اور گھسے پٹے جملوں سے احتراز کیا جائے۔
- غیر مروج، غریب اور غیر علمی الفاظ کا استعمال نہ ہو۔
- خبروں میں اپنی رائے شامل نہ کی جائے۔

1۔ سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 276 .

نیوز ایجنسیاں : آج ایسے بہت سے ادارے وجود میں آچکے ہیں۔ جو خبریں جمع کر کے بروقت اخبارات کو قیمتا فراہم کراتے ہیں۔ ایسے اداروں کو نیوز ایجنسی کہتے ہیں۔ان نیوز ایجنسیوں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج زیادہ تر اخبارات میں 70 سے 80 فی صد خبریں نیوز ایجنسیوں کی فراہم کردہ ہوتی ہیں۔

دنیا کی قدیم ترین نیوز ایجنسیوں میں ''وولف''۔اور ''ہوس'' کا نام کافی اہم رہ چکا ہے۔ اب ان کا وجود وعدم برابر ہے۔ البتہ اس وقت مشہور عالمی نیوز ایجنسیوں میں ''رائٹیر'' (جو بنیادطور پر جرمن نیوز ایجنسی تھی اب انگلستان، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے اخبارات کی مشترکہ ملکیت ہے) ''ایسوسی ایڈ پریس آف امریکہ'' (جو دنیا کی بہترین خبر رساں ایجنسیوں میں سے ہے)۔اور ''یونائیٹیڈ پریس انٹرنیشنل'' ہیں جن سے دنیا بھر کے اخبارات اور دوسرے ادارے مسلسل استفادہ کررہے ہیں۔

بیسویں صدی کی ابتداء میں جب ہندوستان میں اخبارات کی تعداد بڑھی تو یہاں بھی خبر رساں ایجنسی کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس وقت یہاں کے اخبارات اپنے نامہ نگاروں کے ذریعے خبریں حاصل کرتے تھے۔ ابتداء میں ان ہندوستانی اخباروں نے بھی غیر ملکی نیوز ایجنسیوں سے ہی استفادہ کیا۔ رفتہ رفتہ ہندوستانی نیوز ایجنسیاں بھی قائم ہوئیں۔ اس وقت مشہور ہندوستانی نیوز ایجنسیوں میں۔ایک پریس ٹرسٹ آف انڈیا ہے'' جس کی اس وقت ملک بھر میں ایک سو سے زائد شاخیں ہیں۔ پانچ لاکھ کی لاگت سے شروع ہونے والی یہ ایجنسی آج پانچ کروڑ کا کاروبار کرتی ہے۔

''یونائیٹیڈ نیوز آف انڈیا۔'' ہندوستان کی دوسری بڑی نیوز ایجنسی ہے جو 1961ء میں شروع ہوئی اس وقت پانچ سو سے زیادہ اخبارات اور ادارے اس سے خبریں حاصل کرتے ہیں۔

''ہندوستان سماچار'' نامی نیوز ایجنسی یہاں 1947ء میں قائم ہوئی۔ یہ ہندوستانی زبان میں خبریں فراہم کرتی ہے۔ 1954ء میں اس نے دیوناگری میں ٹیلی پرنٹر پر خبریں فراہم کر کے ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

''سماچار بھارتی'' 1966ء میں قائم ہوئی یہ بھی ہمہ لسانی نیوز ایجنسی ہے جو کئی ہندوستانی زبانوں میں خبریں مہیا کراتی ہے۔

غیر جانبدارانہ نیوز پول : اس نیوز ایجنسی کو تمام غیر جانبدار ممالک نے مل کر قائم کیا ہے۔ اس میں ان ملکوں کی خبر رساں ایجنسیوں کے باہمی اشتراک سے، مغربی خبر رساں ایجنسی پر تکیہ کئے بغیر قومی خبروں کو زیادہ صحیح ڈھنگ سے پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس وقت ''غیر جانبدار نیوز پول'' میں غیر جانبدار ممالک کی اکیس خبر رساں ایجنسیاں شامل ہیں۔ غیر جانبدار نیوز پول'' کا اصل مقصد اخبارات کو چار بڑی نیوز ایجنسیوں کے غلبے سے نجات دلا کر خبروں کی ترسیل میں اجارہ داری کو ختم کرنا ہے۔

اخبار کا غیر خبری حصہ : گو کہ اخبار کے غیر خبری حصے سے بھی ہمیں بہت سی خبریں ملتی ہیں۔ مگر یہ خبریں مختلف قسم کے قارئین کے لیے الگ الگ دل چسپیوں کی حامل ہوتی ہیں۔

کسی بھی اخبار میں خبری حصہ جتنا اہم ہوتا ہے غیر خبری حصہ بھی قریب قریب اتنا ہی اہم ہوتا ہے۔ ایک انسان کو خبریں جاننے سے جتنی دل چسپی ہے دوسرے کو اتنی ہی دل چسپی غیر خبری حصے سے ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک تعلیم یافتہ بیدار مغز یہ جاننے کے لیے بیقرار ہے کہ ناوابستہ ممالک کے مشترکہ اجلاس میں کیا کیا قراردادیں منظور ہوئیں۔ لیکن دوسری طرف ایک کم تعلیم یافتہ انسان یہ جاننے کے لیے زیادہ بے چین ہوسکتا ہے کہ آج اس کے شہر کے سنیما گھروں میں کون کون سی فلمیں چل رہی ہیں۔ تاکہ اس کا پروگرام خراب نہ ہو، اور مختلف سنیما گھروں کے چکر نہ کاٹنے پڑیں۔ یہی وجہ ہے کہ چونسٹھ کالم کے اخبار میں عموماً بتیس کالم غیر خبری حصے کے لئے وقف ہوتے ہیں۔

غیر خبری مواد کے لئے اخبارات میں مستقل کالم ہوتے ہیں۔ اس کے زمرے میں اداریہ، اشتہار، قارئین کے خطوط، مضامین، فیچر، کتب پر تبصرے۔ کھیل پروگرام۔ میٹری مونیل۔

رحلت کی خبریں، بازار کے بھاؤ۔ موسم کا حال۔ ریڈیو، ٹی وی پروگرام۔ بچوں کا صفحہ، کارٹون ،ریل اور ہوائی جہاز کے اوقات، مصروفیات اور دیگر مستقل عنوانات آجاتے ہیں۔ ان عنوانات میں سے کچھ کے تحت مواد حاصل کرنے اور ان کی ترتیب وتزئین کے لیے مندرجہ ذیل سفارشات کی جاتی ہیں۔

رحلت کی خبریں مختصر بھی ہوسکتی ہیں اور طویل بھی یہ اس بات پر منحصر ہے کہ متوفی کی شخصیت کی اہمیت کیا تھی۔ رحلت کی خبروں میں متوفی کا نام اور عرفیت صحیح درج ہو۔ متوفی کا عہدہ یا سماجی مقام بھی لکھ دینا بہتر ہوتا ہے۔ اس میں متوفی کی عمر لواحقین کی تفصیل اور وفات کی وجہ لکھ دینا بھی مناسب ہے۔ اگر متر فی کی شخصیت اہم ہے تو اس کے مکمل پتے کے ساتھ تصویر بھی شائع ہونا چاہیے۔

اخبارات میں موسم کا حال دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ جاننے میں دل چسپی ہوتی ہے کہ مقامی اور دور دراز علاقوں میں موسم کیا کروٹیں لے رہا ہے۔ مستقبل میں یہ خوشگوار ہوگا یا تکلیف دہ کھیتی اور باغ بانی سے متعلق حضرات تو اپنے بہت سے کاروباری پروگرام اسی کے مطابق طے کرتے ہیں۔ اسی عنوان کے تحت درجہ حرارت بھی دیا جاتا ہے۔ اسی گذشتہ موسم سے اس کا موازنہ بھی کیا جاتا ہے۔ شدید گرمی یا شدید سردی سے مرنے والوں کی تعداد، مستقبل کے لیے محکمہ موسمیات کے ماہرین کی رائے۔ برسات کے موسم میں مان سون کے پہنچنے یا نہ پہنچنے کے بارے میں یا بارش ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

بڑے شہروں میں عموماً ہوائی اڈے سے متعلق موسمیات کا دفتر ہوتا ہے۔ وہاں سے موجودہ موسم کے بارے میں اطلاع اور آئندہ کی پیش گوئی بھی حاصل کی جاتی ہے۔ اخبارات اکثر موسم کا حال ترسیمی نقشوں کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ یہ گراف محکمہ موسمیات بھی فراہم کرتا ہے اور سنڈیکیٹ ادارے بھی مہیا کردیتے ہیں۔

فی زمانہ تجارتی خبروں کی اہمیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اس کے لیے خصوصی روزانہ اخبارات شائع ہورہے ہیں۔ تجارتی خبروں میں اشیاء کے نرخ جس میں اشیاء کا انتخاب

مقامی ضروریات کی روشنی میں ہو۔ کمپنیوں کے شیر کے نرخ، صرافہ بازار میں سونے چاندی کے بھاؤ دیئے جاتے ہیں۔ اس میں سرمایہ کاری کے عام رجحانات مالیاتی صلاح ومشورے پر خصوصی مضامین ہو سکتے ہیں۔ تجارتی خبروں اور تبصروں میں زبان وبیان پر زور دینے کے بجائے، اعداد وشمار کی درستگی اور صورت حال کے صحیح تجزیئے پر زور دینا چاہیے۔ بازار میں بدلتی ہوئی صورت حال یا ممکنہ تبدیلی کا جائزہ دلائل کے ساتھ لیا جائے۔ نئی تکنیکی ایجادوں یا دریافتوں پر روشنی ڈالی جائے۔

ریڈیو، ٹی وی پروگرام بھی غیر خبری مواد کا مستقل حصہ ہے۔ آج ریڈیو اور ٹی۔ وی زندگی کا جز بن چکے ہیں۔ اس کے پروگرام جاننے میں بھی اکثر لوگوں کو دل چسپی ہوتی ہے۔ وزارت اطلاعات ونشریات سے شائع ہونے والی میگزینوں میں ریڈیو پروگرام پیشگی شائع ہوتے ہیں اس کے لیے ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مقامی دور درشن اور آکاشوانی دفاتر سے بھی اخبارات کو تازہ ترین پروگرام کی تفصیل فراہم کی جاتی ہے۔

ٹی۔ وی پر دکھائے جانے والی فلموں پر پیشگی اطلاع اور کہانی کا خلاصہ دے کر تفصیلات دی جاسکتی ہیں۔ ریڈیو ٹی وی پروگراموں پر تبصرے دیئے جاسکتے ہیں۔

شہروں میں علمی ادبی۔ ثقافتی۔ معلوماتی۔ تفریحی پروگرام اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی میلے۔ ٹھیلے۔ مشاعرے۔ مباحثے ڈرامے اور مذہبی پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی عوامی مصروفیات کی پیشگی اطلاع خبر کی صورت میں دی جاسکتی ہے اور جس دن متعلقہ پروگرم ہونا طے ہے اس کی اطلاع علاحدہ بھی دی جاسکتی ہے۔

کسی بھی شہر کے اخبار کا مصروفیات کا کالم وہاں کی سماجی ثقافتی زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جس میں وہاں کے لوگوں کی خصوصی دل چسپی ہوتی ہے۔ لہذا ہر اخبار کا فرض ہے کہ مقامی مصروفیات کو پوری اہمیت دے۔

اخبارات میں فلموں سے متعلق بھی خصوصی کالم ہوتے ہیں۔ جن میں مقامی سنیما گھروں میں چل رہی فلموں اور آنے والی فلموں کے ناموں کی تفصیل ہوتی ہے۔ لیکن آج

کل عوام کے ایک بڑے طبقے کی دل چسپی فلموں سے اتنی بڑھ گئی ہے کہ فلمی کہانیاں تبصرے انٹرویو سوال و جواب بھی اخبارات میں ہوتے ہیں۔

آج کل فلمی تماشائی صرف فلمیں دیکھنے کی حد تک ہی دل چسپی نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنے پسندیدہ ایکٹر وایکٹرسوں کے بارے میں نت نئی باتیں جاننا چاہتے ہیں۔ انہیں آنے والی فلموں کی پیشگی اطلاعات حاصل کر لینے کی خواہش ہوتی ہے۔ زیر تکمیل فلموں کے عناصر کی جھلکیاں دیکھنا پسند کرتے ہیں یہ سب چیزیں بھی اخبار میں ہوں تو بہتر ہے۔ عریانیت سے اجتناب کرتے ہوئے فلمی صفحہ یا کالم میں شوخی و رنگینی زیادہ ہونی چاہیے۔ عموماً سنیما گھروں کے منتظمین یا تقسیم کار نئی فلموں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کر دیتے ہیں۔ فلم پر تبصرہ کرتے وقت اچھائی یا برائی کے لئے دلائل بھی دینے چاہئیں۔

اخبار کو بچوں کے کالم پر اس لئے بھی دھیان دینا ضروری ہے تاکہ بچے بڑے ہو کر بھی اسی اخبار کو ترجیح دیں۔ جسے وہ بچپن سے پڑھتے اور پسند کرتے آئے ہیں۔ روزانہ اخبار میں ہفتے میں ایک دن بچوں کے کالم کے لیے مخصوص ہو اور یہ دن اتوار کا ہو تو بہتر ہے۔

بچوں کے لئے کچھ لکھتے وقت ان کی نفسیات سے واقفیت ضروری ہے ایسی تحریروں میں الفاظ آسان ہوں جملے بھی مختصر ہوں اور پیراگراف بھی۔ اس میں دل کشی اور جاذبیت بھی ہو۔

بچوں کو عمر کے لحاظ سے الگ الگ خانوں میں بانٹا جاتا ہے۔ لہذا ان کے لیے لکھتے وقت یہ واضح ہونا چاہیے کہ یہ تحریر کس عمر کے بچوں کے لیے لکھی جا رہی ہے۔ بچوں کی کہانیوں کے ساتھ تصاویر بلکہ رنگین تصاویر ضروری ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کارٹون بھی بچے دل چسپی سے دیکھتے ہیں۔ بچوں کے کالموں کو نقش و نگار اور مزاحیہ تصاویر سے سجایا جائے۔ بچوں کے لیے تفریح کا سامان فراہم کرنا ان کی تحریر کا مقصد ہو۔

عورتوں کے لیے جو کالم مخصوص کئے جائیں۔ ان کے لیے یہ دھیان رکھا جائے کہ آج کل ایسے مقالات تصاویر اور فیچرز زیادہ مقبول ہو رہے ہیں۔ جن میں عورتوں کی دل

چسپی ہو۔ ورنہ اس بات کا خطرہ ہے کہ گھریلو بجٹ بناتے وقت وہ اخبار کو ہی قلم زد کر دیں۔

صحت نامہ، بچوں کی نگہداشت، نت نئے فیشن، حسن افزا اشیاء باغبانی پکوان میک آپ، بچوں کی تعلیم و تربیت، کشیدہ کاری اور کڑھائی بنائی ان کی دل چسپی کے میدان ہیں۔ کچھ عورتیں، جوش، خطرہ، رومان، تعریف، نظر فریبی اور مشقت سے پر کہانیاں بھی پسند کرتی ہیں۔

تبصروں کے لئے بھی اخبارات کے کچھ کالم وقف ہوتے ہیں۔ اخبارات میں تبصرے عموماً کتابوں، رقص و موسیقی کے پروگراموں تصویروں، مجسموں اور مصوری کی نمائشوں پر فلموں، ڈراموں، ویڈیو، کیسٹوں، ٹی۔ وی پروگراموں اور دیگر تفریحی پروگراموں پر ہوتے ہیں جن میں قارئین کی دل چسپی ہوتی ہے۔

کسی بھی فن پر تبصرہ کرنے سے پہلے مبصر کے لئے لازم ہے کہ اس فن کا جانکار ہو۔ تبصرے غیر جانبدار مدلل۔ بے لوث اور منصفانہ ہوں۔

ریل بسوں اور ہوائی جہازوں کے اوقات کم از کم ہفتے میں ایک بار شائع ہونے چاہیے۔ اس کی اشاعت کے لئے جو دن منتخب کیا جائے۔ اس میں تبدیلی نہ کی جائے۔ شائع شدہ اوقات کا سو فی صد درست ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ اوقات ریلوے ٹائم ٹیبل۔ اسٹیشنوں پر لگے چارٹ (یا تازہ ترین تبدیلی کے لیے) ریلوے کے مقامی افسران یا اسٹیشن ماسٹر کے دفتر سے حاصل کئے جا سکتے ہے۔ روڈ ٹرانسپورٹ کی طرف سے بھی شعبہ رابطہ عامہ قائم ہیں جو اخبارات کو اوقات میں تبدیلیوں کی اطلاع پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایر لائنز کے دفتروں میں طیاروں کی پرواز کے اوقات آسانی سے مل جاتے ہیں۔

تقریباً ہر بڑے اخبار میں قارئین کے خطوط کی جگہ محفوظ ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قارئین کے خطوط ایک ایسا آئینہ ہیں۔ جن میں حکمراں طبقہ اپنے عمل اور فیصلوں کا ردعمل دیکھتا ہے اور اس لحاظ سے ان کی اہمیت مسلم ہے۔

یہ خطوط قاری کبھی دادرسی کے لئے لکھتا ہے۔ کبھی ان میں غلط باتوں کے تدارک کی خواہش ہوتی ہے۔ بدعنوانیوں کو درست کرنے کے مشورے ہوتے ہیں۔ کبھی کسی جال

سازی بے راہ روی یا لاپرواہی کا پردہ فاش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جو عوام کے لیے مضر ہے۔ ان میں کسی اچھائی کی تعریف بھی ہوتی ہے۔ مفید فیصلوں کا خیر مقدم۔ ضروری اور بروقت رعایتوں کا شکریہ بھی ہوتا ہے۔ کامرانیوں کی مبارک باد بھی ہوتی ہے۔

محقق نادر مواد کی اطلاع یا فراہمی کی درخواست اسی کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان ہی کے ذریعے مقالہ نگار۔ خطیب یا قائد کے بیان پر نکتہ چینی کی جاتی ہے غرض کسی مضمون نگار وزیر یا مبصر کے خیالات سے واقفیت یا مخالفت بھی انہیں کے ذریعے کی جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر، یہ وہ زبان خلق ہے۔ جو نقارہ خدا کا درجہ رکھتی ہے لہذا اسے اخبار میں مناسب احترام کے ساتھ مقام دینا ضروری ہے۔ البتہ بعض قارئین ایسے ہوتے ہیں جو صرف اپنے نام کی اشاعت کے لیے بار بار خط لکھتے ہیں۔ انہیں نظر میں رکھا جا سکتا ہے۔ خطوط غیر ضروری الفاظ یا طوالت سے بچا کر دل چسپ سرخی کے ساتھ شائع کئے جائیں تو بہتر ہے۔

اخبار میں اشاعت کے لیے آئے خطوط میں ہتک آمیز طعن و تشنیع ہے تو اسے ہرگز شائع نہ کیا جائے یا ایسے جملوں کو کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ قانونی ذمہ داری خط لکھنے والے کے بجائے ناشر پر ہوتی ہے۔

اداریہ نگاری:

اداریے کو کسی نے اخبار کی جان کہا ہے تو کسی نے اس کا ضمیر کسی نے اسے واقعات پر روشنی ڈالنے والی مشعل بتایا ہے تو کسی نے اسے عوام کی رہنمائی کرنے والا روشنی کا منارہ۔ کسی کا خیال ہے کہ یہ ایک آئینہ ہی نہیں بلکہ ایسا ہتھیار بھی ہے جس سے سلطنتوں کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں اور تہذیب و تمدن کے کئی شعبوں میں انقلاب لایا جاتا ہے۔ اس سے اخبار کی بے باکی، احساسات اور پالیسی کا اظہار ہوتا ہے جو کہ اخبار کے کردار کا تعین کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اداریہ اخبار کی وہ اہم تحریر ہوتی ہے جس میں مدیر، ناشر یا مالک کسی اہم مسلے پر رائے دیتا ہے۔ یہ

بات بڑی حد تک درست ہے پھر بھی اس میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ اداریئے میں اہم خبروں کا تجزیہ بھی ہوتا ہے۔ اس سے کسی مسلے پر روشنی بھی ڈالی جاتی ہے۔ کئی معاملات کی توثیق بھی ہوتی ہے، کئی واقعات کی تفسیر و توضیح بھی ہوتی ہے۔ اس میں کسی فیصلے کی اہمیت بھی بتائی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہ آنے والی باتوں کا مفہوم سمجھایا جاتا ہے وہ بھی مدیر یا اخبار کی رائے کے بغیر۔ مزید یہ کہ اس میں کسی تجویز کا خیر مقدم کیا جا سکتا ہے۔ ملک یا سماج کے لئے غیر مفید منصوبے کی مزمت کی جا سکتی ہے۔ کسی مسلے پر سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ کوئی خاص رویہ اختیار کرنے کی سفارش کی جا سکتی ہے۔ اس میں تمام جائز مطالبات کئے جا سکتے ہیں۔ غرض اداریہ اخبار کے پاس ایسا حربہ ہے جس کے صحیح استعمال سے زندگی کے ہر شعبے کی نگرانی ہو سکتی ہے اور سماج کے صحت مند عناصر کے فروغ میں مدد لی جا سکتی ہے۔

فیروز اللغات میں ''اداریہ'' کے معنی اخبار کے ایڈیٹر کا اپنا خاص مضمون، مقالہ، اختتامیہ، ایڈیٹوریل۔ لیڈنگ آرٹیکل درج ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اداریہ اکثر ایڈیٹر خود ہی لکھتا ہے۔ یہ اسی کی ذمہ داری ہے۔ بڑے اخبارات میں جہاں اداریئے لکھنے کے ماہرین کا عملہ ہوتا ہے وہاں ایڈیٹر ماہرین کے اداریوں پر نظر ثانی کرتا ہے۔

اداریئے میں تقریباً وہی بات کہی جاتی ہے جو دوسرے کہہ رہے ہیں یا کہہ چکے ہیں پھر بھی ہر اداریہ اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ اور یہ الگ شناخت بنا لینے والا انداز ہی اداریہ نگاری کا کمال ہے۔ اداریئے میں ادبی چاشنی شامل ہو کر اس کا معیار بلند کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اداریئے کی ابتداء میں موضوع کی تمام اہم باتوں کا اعادہ کیا جائے اور بات اختصار کے ساتھ براہ راست کہی جائے۔ جس میں حق گوئی و بے باکی ہو تلخی عصبیت اور طرفداری نہ ہو۔

اداریہ اس طرح تیار کیا گیا ہو جسے پڑھ کر قاری یہ محسوس کرے کہ کسی معاملے کی پوری نوعیت اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کے ذریعے مدیر نہ صرف حقائق کو پیش کرے بلکہ حقائق پر جواں مردی سے تنقید بھی کرے اور قارئین کی صحیح رہنمائی بھی۔ مگر اپنے نظریات ان

پر تھوپنے کی کوشش نہ کرے۔

اداریہ عام قاری کو نظر میں رکھ کر نہیں لکھا جاتا بلکہ اداریہ نگار کے پیش نظر باشعور، حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے اور کسی مسئلے کے پس منظر سے واقفیت کی خواہش رکھنے والے قاری ہوتے ہیں۔ 1

اداریہ نگار کا اپنا ایک نصب العین ہو، اور استدلال اداراتی تحریر کا اہم عنصر۔ اس میں رائے عامہ کو متاثر کرنے کی قوت ہو اور صحیح رہنمائی کی اہلیت۔ اداریئے کی سرخی جاذب ہو۔ ابتدائیہ جملے دل کش ہوں زبان سیدھی سادھی عام فہم ہو اور اسلوب پاکیزہ۔

اداریے کے لئے موضوع کا انتخاب بھی بہت اہم مسئلہ ہے۔ اس کے لئے ایسے موضوع کا انتخاب کرنا چاہئے جس میں زیادہ لوگوں کی دلچسپی ہو۔ اگر موضوع دل چسپ ہوگا تو مصروف سے مصروف قاری بھی اسے پڑھنے کی کوشش کرے گا۔ قاری کی توجہ مبذول کرنے کے لئے اس کی زبان سادہ سلیس اور رواں ہو۔ جملے پیچیدہ نہ ہوں (تاکہ اداریہ ادبی شاہکار ہونے کے بجائے اپنے مقصد کو پورا کرے) تحریر سے بلند ذوقی اور نفاست نمایاں ہو۔

اداریے میں طعن وطنز، ہجویہ طرز، تنقید برائے تنقید اور احساسات وجذبات کو برانگیختہ کرنے والے اسلوب سے دامن بچا کر حقائق کو استدلال کے ساتھ مودبانہ طرز میں پیش کرنے سے اخبار کا وقار اور مدیر پر عوام کا اعتماد بڑھتا ہے۔ کھرا اور صاف اداریہ قارئین سے خراج تحسین حاصل کر لیتا ہے خبر اور پروپیگنڈہ کے درمیان جو ایک باریک لکیر ہوتی ہے اس کی شناخت اداریہ نگار کے لئے بہت ضروری ہے۔

اداریہ نگاری کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی نظریے، کسی موضوع یا کسی رخ کی ہمیشہ تائید یا حمایت ہی کرتا رہے۔ اس کی رائے اور پالیسی میں تبدیلی آسکتی ہے۔ حالات وواقعات کی تبدیلی کے ساتھ رویوں میں بھی تبدیلی ممکن ہے۔ یا نئی تفصیلات کے سامنے آنے سے تناظر بدل سکتا ہے ایسی صورت میں پالیسی رائے یا حمایت میں

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 295۔

تبدیلی ہوسکتی ہے۔

بڑے اخبارات میں اداریہ نگاروں کی ایک جماعت ہوتی ہے جس میں مختلف موضوعات کے ماہرین ہوتے ہیں۔کوئی بین الاقوامی قوانین کا ماہر ہے تو کوئی مالیاتی امور پر دسترس رکھتا ہے۔ ہر روز ان ماہرین کے ساتھ ایڈیٹر کی کانفرنس ہوتی ہے جسے ''ادارتی کانفرنس'' کہتے ہیں۔اس میں کل کے اخبار کے لئے اداریئے کا موضوع بھی طے ہوتا ہے اور اداریہ لکھنے والے کا نام بھی۔ نیز یہ بھی طے ہوتا ہے کہ منتخبہ موضوع پر اخبار کی کیا پالیسی ہوگی۔ باہمی تبادلہ خیال کے بعد تیار ہوئے مسودے پر مدیر اعلیٰ نظر ثانی کر کے ترمیم و تنسیخ کر دیتا ہے اس کی آخری منظوری کے بعد اداریہ قابل اشاعت ہو جاتا ہے۔

اداریئے میں ہمیشہ ''ہم''، ''ہماری رائے''، ''ہمارے خیال میں'' جیسے الفاظ ہی استعمال ہوتے ہیں۔اداریہ کسی فرد کا تحریر کیا ہوا ہو یا ادارتی عملے کا اس میں لفظ ہم ہی استعمال ہوگا۔اسے صحافتی اصطلاح میں ''ایڈیٹوریل وی'' کہتے ہیں۔ 1

اداریئے عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں۔اطلاعاتی، تاثر قائم کرنے والے اور مسرت بخش۔اسلوب کے لحاظ سے اداریئے، بیانیہ، تشریحی یا منطقی ہوسکتے ہیں۔موضوع کے اعتبار سے یہ سیاسی، سماجی، اقتصادی یا سائنسی ہوسکتے ہیں۔ پھر یہ سب دانشورانہ بھی ہوسکتے ہیں اور جذباتی بھی۔

عموماً یہ مدیر، عملہ ادارت، سنڈیکیٹ اداروں یا فری لانسرز سے حاصل کئے جاتے ہیں۔اطلاعاتی اداریہ ایک خبر کی ہی طرح ہوتا ہے۔مگر عام خبر میں اتنے نکتے، اتنے پہلو، کسی واقعہ کی اتنی تفصیل نہیں آپاتی جتنی اداریے میں سموئی جاسکتی ہے۔اطلاعاتی اداریے میں کسی اہم مسلے یا واقعہ کی تشریح و توضیح شروع سے کی جاتی ہے اور یہ نمایاں کیا جاتا ہے کہ اب یہ مسلہ کہاں تک پہنچا ہے۔اس میں عموماً کوئی رائے شامل نہیں ہوتی۔

متاثر کن اداریئے میں اداریہ نگار اپنے دلائل و براہین، استدلالی اسلوب، منطقی تجزیے، اور وقیع و پوشیدہ گوشوں کو نمایاں کر کے فرد یا گروہ کی رائے کو براہ راست متاثر

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 305.

کرنے کی کوشش کرتا ہے۔عموماً اس کا لہجہ بحث ومباحثے کا ہوتا ہے اپنی بات منوانے کا رجحان ہوتا ہے۔مطلوبہ اثر پذیری کے لئے مسلے کے تمام پہلوؤں کی مطابقت وتزادات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔معقول،مدلل اور معتدل باتوں کوتسلیم بھی کیا جاتا ہے اور ایہام، مفروضات،خود بینی وتعلّی سے احتراز بھی۔

کبھی کبھی کسی معاملے یا موضوع کی عوامی مقبولیت ودل چسپی کے پیش نظر اداریوں میں تفریحی عناصر کو بھی شامل کردیا جاتا ہے۔انھیں مسرت بخش یا پر لطف اداریہ کہتے ہیں۔اس میں ہلکا پھلکا اسلوب،طنز ومزاح کی چاشنی لئے ہوئے زیرلب تبسم بکھیرنے والا ہوتا ہے۔اس میں ہلکی پھلکی چوٹیں بھی ہوتی ہیں اور مذاق ہی مذاق میں پتے کی باتیں بھی.1

کالم نگاری:

کالم نگاری کے بارے میں سید اقبال قادری لکھتے ہیں:

''مجموعی طور پر کالم'' ایک ایسا صحافتی فیچر ہے جس میں کالم نویس منتخب موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کسی بھی معاملہ کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے''2

کالم ہم عصر صحافت کا ایک اہم جز ہے۔اخبارات کے لئے اس سے صرف نظر مشکل ہے۔اس میں اہم مسائل کا حل اور پیچیدہ معاملات کی توضیح اور تازہ خبروں پر انوکھے زاویوں سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔اداریئے اور کالم میں زیادہ فرق نہیں ہوتا البتہ موخرالذکر کا اسلوب شگفتہ اور انداز غیر رسمی ہوتا ہے۔اچھے کالم نویس کے خیالات میں تیقن ہوتا ہے۔وہ اپنے نقطہ نظر کا اظہار کبھی کنایتاً اور کبھی اعلانیہ طور پر کرتا ہے۔کبھی وہ اپنی وسعت معلومات سے قاری کو متحیر کرتا ہے۔اور کبھی نئے زاویوں کو نمایاں کرکے دعوت غوروفکر بھی دیتا

1.سید اقبال قادری،رہبر اخبار نویسی،ترقی اردو بیورو،نئی دہلی،1989،ص300 .

2.ایضاً،ص318.

ہے۔کالم نویس مبصر بھی ہوتا ہے اور شارح بھی۔کالم کیلئے موضوع کی بھی کوئی قید نہیں، دنیا کے چھوٹے بڑے کسی بھی موضوع پر کالم لکھا جا سکتا ہے۔اسی طرح کالم کی متعینہ طوالت بھی نہیں ہوتی۔یہ موضوع کی وسعت گہرائی اور عمق پر منحصر ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر لکھنے والے کے اسلوب اور طرز پر۔یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک اخبار میں ایک کالم ہو۔کسی بھی اخبار میں بیک وقت مختلف قسم کے کئی کالم ہو سکتے ہیں۔

کالم کی تحریر عام تحریر سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔اس کے اسلوب میں مزاح کا چٹخارہ اور زبان و بیان میں شوخی ہو تو اس کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔مزید یہ کہ کالم میں چونکہ ذاتی رائے کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ کالم نگار اپنے کالم میں ذاتی خیالات کا اظہار برملا کرتا ہے۔اسی لئے کالم نگار اس میں انفرادی طور پر اپنی رائے کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہے۔اور شاید اسی لئے اس میں ہم کے بجائے ''میں''، ''میرے''، ''میری''، ''میرے خیال میں''، ''میری رائے میں'' جیسے الفاظ زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔

کالم میں ایک معمولی سی بات غیر معمولی طور پر پیش کرنے کو کالم نگاری کا ہنر تصور کیا جاتا ہے۔اس میں شائستگی، زندہ دلی اور شگفتگی شانہ بہ شانہ رہتی ہے۔اداریئے میں لطیفے، چٹکلے، پھبتی، قصے اور کہانی سے عموماً پرہیز کیا جاتا ہے۔جب کہ کالم کو یہی چیزیں کالم بناتی ہیں۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کالم غیر سنجیدہ ہوتا ہے۔یہاں بے خودی میں ہشیاری اور سادگی میں پرکاری برتی جاتی ہے۔جو باتیں اداریئے میں سنجیدگی کی وجہ سے نہیں کہی جا سکتیں۔یہاں ہلکے پھلکے انداز میں بڑی آسانی سے بیان کر دی جاتی ہیں۔غرض کالم خیالات کے اظہار کا ایک ایسا پرتاثیر ذریعہ ہے جس سے قارئین کو دعوت فکر ملتی ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اداریہ اور کالم میں کیا فرق ہے۔دراصل مقصد دونوں کا ایک ہے جو کام اداریہ کرتا ہے وہی قریب قریب کالم بھی کرتا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ کالم زیادہ شگفتہ ہلکے پھلکے اور غیر رسمی ہوتے ہیں۔جب کہ اداریہ بھاری بھرکم سنجیدہ اور مدلل ہوتا ہے۔اداریئے کے ساتھ اداریہ نگار کا نام نہیں جاتا۔وہ ایک سنجیدہ معیاری، فکر انگیز

تحریر لکھ کر بھی گمنام رہتا ہے۔ اسے حق تلفی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے برخلاف کالم کے ساتھ کالم نویس کا نام ضرور ہوتا ہے۔ کالم میں ایک ایک لفظ کی ذمہ داری کالم نویس کی ہوتی ہے۔ کالم انفرادی صحافت کا نمونہ ہے۔ جب کہ اداریئے کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔

کالم کے اقسام: کالم کی عموماً پانچ اقسام بتائی جاتی ہیں۔

- رنگ برنگا کالم
- ذاتی کالم
- مزاحیہ کالم
- سنڈیکیٹ کالم
- خصوصی کالم

رنگ برنگا کالم: اس قسم کے کالم میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ کالم نویس کو مکمل آزادی ہوتی ہے وہ ادبی علمی، ثقافتی، معاشی، سیاسی کسی بھی موضوع پر اظہار کر سکتا ہے۔ اس میں ایک اشاعت میں ایک موضوع پر مکمل روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ یا کئی موضوعات کو سمیٹا جا سکتا ہے۔

ذاتی کالم: ایسے کالم میں کالم نویس اپنی تمام تر معلومات کی مدد سے مکمل دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے جس میں اس کے ذاتی خیالات پر زور ہوتا ہے اور اس کی اہمیت کا عنصر نمایاں۔ وہ ہر معاملے میں اپنی دھاک بٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ وہی صحافی کرتا ہے جو کافی تجربہ کار و شہرت یافتہ ہو۔ مقتدر و ذی اثر حلقوں میں جس کے ذاتی خیالات و نظریات کی وقعت ہو۔ ایسے کالموں میں حالات حاضرہ کے اہم پہلوؤں اور حادثات، انتخابات، طوفان و سیلاب جیسی چیزوں پر بھی ذاتی اثرات پیش کئے جاتے ہیں۔ سید اقبال قادری کا خیال ہے کہ:

''نیویارک سے شائع ہونے والے مشہور قدامت پرست

اخبار 'دی ہیرالڈٹری بیون' کی 8/ دسمبر 1931 کی اشاعت میں والٹر لپ مین نامی مشہور صحافی نے سب سے پہلا ذاتی کالم شروع کیا تھا۔ بڑھتے بڑھتے اس ذاتی کالم کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ امریکہ کے پانچ سو سے زیادہ اخبارات بہ یک وقت لپ مین کا کالم بعنوان ''آج اور کل'' TODAY AND TOMORROW شائع کرتے تھے۔آج بھی امریکہ میں کئی ایسے کالم نویس ہیں جن کے کالم سیکڑوں اخبارات میں موجود رہتے ہیں''1

مزاحیہ کالم: آج کے دور میں زیادہ تر لوگ مصروف،فکر منداور پریشان رہتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خوشی نہ صرف ان کے ذہن بلکہ جسمانی صحت کے لئے بھی مفید بلکہ ضروری ہے وہ اس کے لئے وقت نہیں نکال پاتے ۔ لہذا ہر ماحول میں سنجیدہ عام مصائب اور مسائل سے فرار کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لئے اخبار میں ایسے ہلکے پھلکے کالم کی جن سے قارئین کو تھوڑی سی خوشی تھوڑا سا لطف میسر آجائے مقبولیت ہوتی ہے۔ ہر معاشرے میں ایسے سیکڑوں موضوعات اور صورت حال ہوتی ہے جن پر مزاحیہ کالم لکھا جاسکتا ہے اور لکھنے والے تو سنجیدہ موضوع پر مزاحیہ کالم لکھ دیتے ہیں۔

سنڈیکیٹ کالم: خبر رساں ایجنسیوں کی طرح بہت سے ایسے ادارے ہیں جو مختلف قسم کے اخباری مواد خصوصاً مستقل کالموں کے لئے مضامین خاکے، نقشے ، معمے، کالم،مشورہ کالم، ہلکے پھلکے مضامین، چٹکلے گھریلو نسخے ،تبصرے وغیرہ اخباروں کو قیمتاً مہیا کراتے ہیں۔ یہ ادارے سنڈیکیٹ کہلاتے ہیں۔ لہذا بہت سے کالم نویس اپنے کالم ان اداروں کو فروخت کردیتے ہیں۔ سنڈیکیٹ ادارے انھیں ضرورت منداخباروں کوفروخت کرتے ہیں۔ایسے کالم سنڈیکیٹ کالم کہلاتے ہیں ان میں کسی کا نام نہیں ہوتا۔

خصوصی کالم: کسی خاص موضوع جیسے فلم ،کھیل کود، سائنس کی دنیا،

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 320 .

ماحولیات، طب وغیرہ پر لکھے گئے کالم خصوصی کالم کہلاتے ہیں۔ ایسے کالم عموماً وہ لوگ لکھتے ہیں جو اپنے میدان کے ماہر ہوں۔ اسی لئے وہ معاوضہ بھی زیادہ طلب کرتے ہیں۔

صحافت کے دوسرے شعبوں کی طرح کالم نویسی میں بھی نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ مثلاً آج کل اخبارات میں ''ذاتی مشورہ کالم'' کافی رواج پا گئے ہیں۔ ایسے کالم میں خاندانی مسائل، نفسیاتی وجنسی مسائل، خوبصورت بننے کے راز اور صحت وتندرستی جیسے موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔ ایسے کالم اکثر قارئین کے سوالات کے جوابات پر مبنی ہوتے ہیں۔ مثلاً سائنس وٹکنالوجی اور سرمایہ کاری پر خصوصی کالم لکھے اور پسند کئے جا رہے ہیں۔ سید اقبال قادری لکھتے ہیں:

> ''ہر کالم نویس کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اپنی ہر تحریر میں ایک واضح انفرادیت قائم رکھے۔ اسے کسی بھی چیز کو بھانپ لینے کی عادت ہو۔ اسے تجزیہ نگاری سے رغبت ہو۔ اور اپنی ہی قوت تخلیق کے ذریعہ کالم کو استحکام بخشے''۔ 1

نامہ نگاری:

نامہ نگاری ایک شوق بھی ہے اور ایک باقاعدہ آمدنی کا ذریعہ بھی۔ اسے کتابوں سے حاصل تو کیا جا سکتا ہے مگر یہ نکھرتا عمل کے میدان میں ہی ہے۔ اخبارات، نیوز ایجنسیاں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن مراکز، خبریں حاصل کرنے کے لئے اپنے نمائندے مقرر کرتے ہیں یہ نمائندے نامہ نگار، رپورٹر یا کرسپانڈنٹ کہلاتے ہیں۔ ان کا کام خبروں کو حاصل کر کے متعلقہ ادارے کے دفتر تک کسی بھی ذریعے سے بروقت پہنچانا ہوتا ہے۔

صحافتی دنیا میں نامہ نگار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ذرائع ترسیل کتنی بھی ترقی کر جائیں الفاظ وتصاویر کی مراسلت کے لئے کتنی ہی برق رفتار مشینیں تیار ہو جائیں، خبروں کی ترسیل نامہ نگار کی خدمات ومداخلت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 324۔

بنیادی طور پر خبروں کی فراہمی نامہ نگاروں ہی کے ذریعے ہوگی۔

خبر رساں ایجنسیوں کی تمام تر ترقی کے باوجود ہر بڑا اخبار اپنے خصوصی نامہ نگار بھی رکھتا ہے۔ اگر اخبارات صرف خبر رساں ایجنسیوں پر انحصار کرلیں تو تمام اخباروں میں بڑی حد تک یکسانیت آجائے گی۔ اور کسی اخبار کی انفرادیت قائم رہنا مشکل ہوگی۔ لہذا اپنے خاص نامہ نگار اس لئے بھی مقرر کرتے ہیں تا کہ انھیں کچھ ایسی خبریں بھی میسر آجائیں جو دوسروں کو نہیں ملی ہیں۔

اخبار جہاں سے نکلتا ہے، وہاں کی مقامی خبریں حاصل کرنے والوں کو رپورٹر کہتے ہیں۔ بعض رپورٹر عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ان کے ذمے زندگی کے ہر شعبے کی رپورٹنگ ہوتی ہے۔ بعض خصوصی نوعیت کے ہوتے ہیں ان کے سپرد الگ الگ شعبوں کی خبریں جمع کرنے کا کام ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے شعبے ہی کی رپورٹنگ کرتے ہیں مثلاً عدالتی رپورٹر صرف عدالتوں، اور کرائم رپورٹر صرف جرائم کی ہی رپورٹنگ کرے گا۔ بعض اخبارات یا ادارے خبروں کی نوعیت کے لحاظ سے رپورٹروں کو کام تقسیم نہیں کرتے بلکہ ان میں علاقے تقسیم کر دیتے ہیں۔ ہر رپورٹر کو ملا ہوا علاقہ اس کی بیٹ (BEAT) کہلاتا ہے۔ اور اس علاقے کی ہر طرح کی خبریں حاصل کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اخبار جہاں سے نکلتا ہے وہاں سے باہر کے علاقوں میں متعین رپورٹر نامہ نگار (CORRESPONDENTS) کہلاتے ہیں۔ یہ بھی اپنے اپنے علاقوں میں اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح رپورٹر کرتا ہے۔ 1

اس کے علاوہ کچھ نمائندگان بھی ہوتے ہیں۔ انھیں تین درجات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

خصوصی نامہ نگار: کوئی اہم کانفرنس ہو، قومی یا بین الاقوامی سطح کا اجلاس ہو تو بڑے بڑے اخبارات اپنے تجربے کار صحافیوں کو وہاں بھیجتے ہیں۔ یہ خصوصی نامہ نگار یا اخبار کے خصوصی نمائندے کہلاتے ہیں۔ ان خصوصی نامہ نگاروں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہاں

1. مسکین علی حجازی، فن ادارت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1992، ص 31.

کی اہم خبریں وہ پہلے حاصل کریں اور انھیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو دوسروں کو نہیں ملی ہے اور ایسی چیزیں حاصل کر لینا ہی ان کا کمال ہوتا ہے۔ کہیں کوئی بڑا ریل، بس یا ہوائی حادثہ ہو گیا ہو۔ زلزلہ یا سیلاب آ گیا ہو، سیاسی جماعتوں کا سالانہ اجلاس ہو یا اولمپک ایشیائی کھیل ہوں خصوصی نامہ نگار اپنی کارگذاری دکھانے کے لئے موجود رہتے ہیں۔

غیر ملکی نامہ نگار: غیر ملکی نامہ نگار دوسرے ممالک کے بڑے اور اہم شہروں یا دارالخلافوں میں متعین کئے جاتے ہیں گویا کہ یہ اس ملک میں کسی اخبار یا ادارے کے سفیر ہوتے ہیں۔ انکے فرائض میں ہے کہ جس ملک میں ہیں وہاں سے، اپنے ملک اور اپنے اخبار کے قارئین کی دل چسپی کی زیادہ سے زیادہ اہم اور غیر معمولی خبریں اپنے اخبار یا ادارے کو بھیجیں۔ وہ اکثر اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ اگر خبر رساں ادارے کسی خبر کے سلسلے میں جانبداری برتیں تو وہ صحیح رخ پیش کر دیں۔ بعض اخبارات ان سے ہفت روزہ، پندرہ روزہ یا ماہانہ خبر نامے طلب کر کے، ان کی بنیاد پر، اہم غیر ملکی معاملات پر خصوصی جائزے شائع کرتے ہیں۔ 1

لابی نامہ نگار: لابی نامہ نگار وہ ہوتے ہیں جنھیں بعض اخبارات مرکزی پارلیمانی اور قانون ساز اسمبلی کے اس ہال میں مقرر کرتے ہیں۔ جسے لابی کہتے ہیں۔ اراکین پارلیمان یا اسمبلی وہاں کبھی کبھار کچھ دیر آرام کرنے یا اپنے ضروری ملاقاتیوں سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ یہاں خصوصی لابی پاس کے ذریعے چند اخباری نمائندوں کو آنے جانے کی اجازت رہتی ہے۔ لابی میں بہت تجربہ کار و آزمودہ نامہ نگاروں کی تقرری ہوتی ہے۔ یہ اراکین اسمبلی، ممبر پارلیمان اور وزراء سے ملتے جلتے رہتے ہیں۔ اور بہت سی خبریں یا ان کا سراغ قبل از وقت حاصل کر لیتے ہیں۔ کسی بھی اخبار کی طرف سے لابی نامہ نگار کی حیثیت سے کام کرنا صحافتی زندگی کی معراج سمجھا جاتا ہے۔ 2

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 239

2. ایضاً، ص 237.

نامہ نگاری کے لئے کسی بھی شخص کا صحافت کی طرف شدید میلان ضروری ہے۔اس قول میں ایک گونہ صداقت ہوسکتی ہے کہ ''صحافی پیدا ہوتا ہے بنایا نہیں جاتا''۔مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ کوئی بھی فن، خواہ نامہ نگاری ہی کیوں نہ ہو، رجحان، ذوق وشوق اور محنت ولگن سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

نامہ نگار کو گفتگو کے آداب سے واقف اور موقع کی نزاکت کو سمجھنے والا ہونا چاہئے۔کیونکہ خبریں حاصل کرنے کے لئے اسے ہر چھوٹے بڑے سے موقعہ بے موقعہ ملنا پڑتا ہے۔نامہ نگار کا دلیر، گرم جوش، ملنسار، بیدار مغز اور خوشگوار حد تک باتونی ہونا پیشے میں معاون ہوتا ہے۔اسے تیز چالاک اور حاضر جواب بھی ہونا چاہئے۔لیکن اس کی باتیں ایسی نہ ہوں کہ لوگ بیزاری محسوس کریں۔

حق پرستی اور راست بازی کا اخبارنویسی سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔نامہ نگار کو ہمیشہ صحیح خبریں پیش کرنے والا اور اخلاقی ضابطوں کا پابند ہونا چاہئے۔اسے ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہئے جس سے اعتماد مجروح ہو۔صحافتی دنیا میں اعتماد کی بڑی اہمیت ہے۔

نامہ نگار کے لئے بہترین علمی صلاحیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اسے ثقافتی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی امور کے ساتھ ساتھ حالات سے بھی گہری واقفیت ہونی چاہئے۔کیوں کہ اسے کسی اہم شخصیت کی تقریر کی رپورٹنگ کرنی ہو تو وہ یہ اندازہ لگا سکے کہ مقرر جو کہہ رہا ہے اس میں حقیقت یا گہرائی کتنی ہے۔پھر کسی معاملے کی تہہ تک پہنچ کر صحیح نتائج اخذ کرنے میں علمی استعداد سے کافی مدد ملتی ہے۔

نامہ نگار کا خبروں کا ہی کاروبار ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بغیر نامہ نگار کے نہ تو کوئی خبر اخبار یا نیوز ایجنسی تک پہنچتی ہے اور نہ خبروں کے بغیر نامہ نگار کی سرگرمی قائم رہ سکتی ہے۔لہذا نامہ نگار کے اندر خبر سونگ لینے کی حس بہت تیز ہونی چاہئے۔دراصل اس حس کے ذریعے نہ صرف وہ خبر تک بروقت رسائی حاصل کرتا ہے بلکہ وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ کون سے واقعے میں خبر کتنی ہے۔اس کے اندر یہ فیصلہ کرنے کی قوت بھی تیز ہونی چاہئے کہ کون سی خبر کتنی اہم ہے۔اور کتنی مقبولیت حاصل کرے گی۔

نامہ نگاری کے بنیادی اصول: خبر تحریر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچے۔ مثلاً اگر کسی نے کوئی معلومات اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اسے متعینہ مدت کے بعد شائع کیا جائے تو اسے وقت مقررہ کے بعد ہی شائع کرنا چاہئے۔ اخبار گھر کے تمام افراد پڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی فحش بات نہ ہو جسے پڑھ کر شرمندگی ہو۔ جرائم شرمناک واقعات اور سماجی برائیوں کی خبریں اس انداز سے دی جائیں کہ قارئین اس سے نفرت کریں۔ جرائم پیشہ اور سماج دشمن عناصر کو بہادر اور ہیرو بنا کر پیش نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو ویسا بننے کی تحریک ملے۔

نامہ نگار کو اپنی خبروں میں ہر فرد ہر قوم اور ہر ادارے کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہئے۔ اسے کسی کی زندگی میں بے جا مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ اگر کسی اشتہار پر خبر کا گمان ہونے کا اندیشہ ہو تو اس پر نمایاں طور پر اشتہار کا لفظ لکھ دینا چاہئے۔ اخبار کے مالکان کی تجارتی پالیسی یا کسی بھی پالیسی کا اثر نامہ نگار کو اپنی خبروں پر نہیں پڑنے دینا چاہئے۔

نامہ نگار کے ذہن میں یہ بات ہر وقت رہنی چاہئے کہ وہ جو کچھ اخبار کے لئے لکھتا ہے اسے ہزاروں لوگ پڑھتے ہیں اور اثر لیتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مصدقہ سنی سنائی خبر یا افواہ ہے تو اس کے ساتھ یہ لکھنا چاہئے کہ ''یہ افواہ ہے''، ''افواہ سنی جارہی ہے''، ''یہ افواہ گشت کررہی ہے'' یا ''غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق''۔

تعصب اور جانب داری سے نامہ نگار کو پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر کوئی امر متنازعہ ہے تو اس کے دونوں رخ پیش کرنے چاہئیں۔ تاکہ قارئین خود فیصلہ کریں۔ کسی خبر کا مکمل ہونا ضروری ہے۔ آدھی حقیقت پیش کر کے قارئین کو ہرگز گمراہ نہیں کرنا چاہئے اور خبر میں اپنی رائے بھی شامل نہیں کرنی چاہئے۔

نامہ نگاری میں جس زبان کا استعمال ہو وہ سادہ سلیس رواں اور عام فہم ہو۔ قواعد کی رو سے زبان کی صحت ضروری ہے اس میں املے کی غلطیاں نہ ہوں اور صرف ونحو کی پابندی کی جائے۔ مختصر یہ کہ اس میں.

- کسی بھی جملے کی طوالت کم سے کم ہو۔ فعل فاعل اور مفعول کے درمیان فاصلہ کم

ہو۔

- مقررہ الفاظ یا اصطلاحات کو ہی استعمال کیا جائے۔
- اسلوب بیان کے اصولوں کو فراموش نہ کیا جائے۔
- گھسے پٹے متروک الفاظ انداز تحریر سے گریز کیا جائے۔
- غریب اور غیر مروج الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جائے۔
- اپنی تحریر کو رنگ وروپ بخشنے کی کوشش کرنا اور سنوارنا سجانا چاہئے۔
- مقام اور تاریخ درست ہو۔
- پہلے جملے میں تمام ضروری تفصیلات آجائیں [1]

نامہ نگار کو اپنی تحریر اس طرح پیش کرنی چاہئے کہ اس میں جاذبیت اور دل کشی بھی ہو اور وہ جو بات کہنا چاہتا ہے آسانی سے قارئین کی سمجھ میں بھی آجائے۔

فیچر نگاری:

اخباری فیچر صحافت کی تمام تر ترقی کے باوجود ہندستان میں اس حد تک مروج ومقبول نہ ہوسکا جتنا کہ یوروپ اور امریکہ میں ہے۔ ہندستان میں اخباری فیچر کے ترقی نہ کرنے کی بہت سی وجوہ میں سے ایک وجہ سنڈیکیٹ اداروں کی یہاں دیر سے ابتداء بھی ہے۔ گوکہ ہندستان ہو یا دوسرے ممالک ہر جگہ آزاد قلم صحافی فیچر زیادہ لکھتے ہیں۔ لیکن یوروپ اور امریکہ میں سنڈیکیٹ اداروں کے ذریعے تجارتی سطح پر ان کا استعمال کرنے سے اسے زیادہ فروغ ملا۔

فیچر ایک ہلکا پھلکا مضمون ہوتا ہے جس میں کسی ادارے، شے یا فرد پر ضروری روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اہم پہلوؤں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ فیچر میں تحقیقی مواد جیسے تازہ اعداد وشمار، حقائق ان کے ثبوت وحوالہ جات کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود فیچر لکھنا کوئی آسان نہیں ہوتا۔ اس کی تحریر میں تازگی لطافت اور چستی کی ضرورت ہوتی

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 276۔

ہے۔فیچر میں ابتداء وسط اور اختتام ہوتا ہے پھر بھی انشاء پردازی کے اصولوں کی سختی سے پابندی نہیں کی جاتی ہے۔اختصار یعنی جامعیت فیچر کی روح ہے۔طوالت اور لفاظی فیچر کا لطف ختم کردیتی ہے۔فیچر میں ایک ہی بات یا ایک ہی خیال پر پوری توجہ صرف کر کے اسے سنوارا اور نکھارا جاتا ہے۔فیچر کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے جس میں لطافت اور شگفتگی نمایاں رہتی ہے۔ندرت کے ذریعے اس میں ایک خاص کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔اور اس میں کئی کیفیات کے بجائے ایک ہی کیفیت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

فیچر میں دل چسپی اور لطف کے لئے موقع ومحل کی مناسبت سے چھوٹے موٹے قصے یا لطیفے بھی دیئے جاسکتے ہیں اور اس میں ڈرامائیت بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔فیچر نہ صرف شروع سے آخر تک رواں خوشگوار اور درخشاں ہو، بلکہ اس کا اختتام بھی دل چسپ ہو۔

فیچر کی تحریر کے مسرت آگیں اور فرحت بخش پہلو سے کبھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔گوکہ اس میں مدلل اور فلسفیانہ گفتگو بھی ہوتی ہے۔منطقی دلائل بھی دیئے جاتے ہیں۔فیصلہ کن باتیں بھی ہوتی ہیں۔پھر بھی یہ زیادہ عالمانہ، سنجیدہ اور خشک نہیں ہوتا۔

فیچر کے لئے موضوعات کا کوئی تعین نہیں ہے۔کہا جاتا ہے کہ ''آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کسی بھی موجود شے پر فیچر لکھا جاسکتا ہے'' بشرطیکہ اس میں کوئی اہم پہلو، تازگی اور ندرت پیدا کی جاسکے۔اور ان سب چیزوں کے لئے کوئی بھی شخص وجدان، غور وفکر، وسیع مطالعہ اور تجربے سے فیچر کے لئے نئے نئے موضوع حاصل سکتا ہے۔کسی بھی قدیم موضوع کو ایک نیا زاویہ دے کر فیچر میں نئی جان ڈالی جاسکتی ہے۔سید اقبال قادری اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''فیچر گول گپے، غبارے، کلفی، کالج کی گھنٹی، گلدان، چھتری، جل جیرا، دہی بڑے، جیسے معمولی موضوعات پر بھی لکھا جاسکتا ہے اور کمپیوٹر، راکٹ، اڑن طشتری، مصنوعی سیارہ خلائی سفر اور سوپر سانک ایر کرافٹ پر بھی لکھا جاسکتا ہے۔فیچر کے لئے مرزا غالب کا مزار، تاسین سنگیت میلا، پھول والوں کی سیر، یوم جمہوریہ

پریڈ، دسہرہ تہوار، حیدرآبادی دسترخوان، مدراس کی ماہی گیری، ریشمی کپڑوں کی پرورش جیسے موضوعات خوب ہیں۔ کاغذ ننھی کرنے والے معمولی پن سے لے کر ایربس تک، مکڑی سے لے کر گینڈے تک۔ بال پوائنٹ قلم سے لے کر آفسیٹ مشینوں تک۔ جس موضوع پر چاہے صحافی اس پر فیچر لکھ سکتا ہے''۔ 1

فیچر کے اقسام: فیچر کو کئی قسموں میں بانٹا جاتا ہے جیسے نیوز فیچر، تاریخی فیچر، شخصی فیچر، سیاحتی فیچر، عملی ہدایتی فیچر، سائنسی فیچر۔

نیوز فیچر: کبھی کبھی کسی خبر میں کچھ تفریحی عنصر یا انوکھا پن آجاتا ہے ایسی خبروں کا انتخاب کر کے فیچر کے طرز اور اسلوب میں سجا سنوار کر پیش کر دیا جائے تو وہ خبری فیچر ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ کوئی خبر لطیفہ یا چکلہ بھی ہوتی ہے خالص لطیفہ یا چٹکلہ تو خبر ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں تفریحی عنصر سے مراد یہ ہے کہ جو بہت زیادہ سنجیدہ نہ ہو اور اس میں کچھ پر لطف اور دل بہلاوے والی چیزیں بھی ہوں۔ ایسی خبروں کو فیچر کی شکل دینے کے لئے ان میں ادبی چاشنی شامل کر کے جاذب بنایا جاتا ہے۔ نیوز فیچر میں سیاسی و معاشی مواد بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگر اس میں زندہ دلی، حیرت و تحیر کا پہلو لایا جا سکے۔ نیوز فیچر میں اہم خبروں پر قلم نہیں اٹھایا جاتا، اس میں ہنسی مذاق، سرمستی و رنگ رلیوں کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

تاریخی فیچر: تاریخی فیچر اسے کہتے ہیں جس میں کسی تاریخی واقعے یا تاریخی شخصیت پر قلم اٹھایا گیا ہو۔ ہر ادارہ، ہر زبان، ہر مذہب و قوم کی اپنی تاریخ ہوتی ہے۔ لہذا

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 92-291۔

ان میں سے کسی بھی تاریخی حقائق کو لے کر اس کے کسی گوشے کو نئے رنگ و نئے انداز میں نمایاں کر کے پیش کرنا تاریخی فیچر کی خصوصیت ہے۔ تاریخی موقعے پر تاریخی فیچر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جیسے یوم آزادی یا یومِ جمہوریہ کے موقعے پر تحریک آزادی سے متعلق کوئی فیچر مناسب رہتا ہے۔

شخصی فیچر: مشاہیر ادیب، فن کار یا کسی ایک شہرت حاصل کرنے والے جیسے فاتح ایورسٹ تین سنگھ، خلائی مسافر راکیش شرما، نوبل انعام گیان پیٹھ انعام یا دادا صاحب پھالکے انعام پانے والے کی زندگی کی تفصیلات پر لکھا گیا فیچر شخصی فیچر کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی کی تفصیلات جاننے میں قارئین کی دل چسپی ہوتی ہے۔

سیاحتی فیچر: سیاحی سے انسان کو ہمیشہ رغبت رہی ہے۔ آج کل تو عوام اسمیں خاص دل چسپی لینے لگے ہیں۔ سیاحی کے موضوع پر لکھے گئے فچر بھی کافی دل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ بلکہ کچھ لوگ تو اسے رہنمائی کے لئے محفوظ کر لیتے ہیں۔ دراصل سیاحتی مقامات کے زمرے میں کئی چیزیں آتی ہیں۔ اس میں تاریخی عمارتیں، قدرتی حسن والے پہاڑی مقامات جیسے اوٹی، نینی تال، دارجلنگ، مقدس مقامات جیسے اجمیر شریف، بنارس، آثار قدیمہ، جیسے کھجوراہو، اجنتا ایلورا، جنگلات (وحشی جانوروں کی پناہ گاہ)۔ ان چیزوں کو موضوع بنا کر جو فیچر لکھا جائے گا وہ سیاحتی فیچر ہوگا۔ ایسے فیچروں میں متعلقہ مقامات کی جغرافیائی خصوصیات کے ساتھ ساتھ وہاں پہنچنے کے ذرائع، راستے کے کوائف، رہائش کا انتظام، موسم، غذا اور مقامی قوانین کی تفصیل دل چسپی کا باعث ہوتی ہے۔

عملی ہدایتی فیچر: روزمرہ گھریلو ضرورت کے بہت سے ایسے فن ہیں جو بغیر کہیں تربیت حاصل کئے تھوڑی سی ہدایات سے گھر بیٹھے سیکھے جا سکتے ہیں جیسے گھریلو فرنیچر کی مرمت، بیماروں کی غذا تیار کرنا، تیمارداری، جلد سازی، پینٹنگ اور اسی طرح عورتوں کو نئے نئے پکوان تیار کرنے، بچوں کو چھوٹے موٹے تجربات کرنے اور گھریلو نسخے جن فیچر میں اس قسم کی چیزوں کا ذکر ہو اسے عملی ہدایتی فیچر کہہ سکتے ہیں۔ انگریزی اخبارات میں

انھیں EXPLANATORY فیچر بھی کہتے ہیں۔

ایسے فیچروں کے ذریعے کوئی کام، مرمت یا عمل کی نوعیت، اسے کرنے کا طریقہ کار، سیدھے سادھے الفاظ میں بتایا جاتا ہے۔ اس کام میں استعمال ہونے والے اوزار یا آلات کے صحیح استعمال کے متعلق معلومات دی جاتی ہیں۔ احتیاطی تدابیر بھی بتائی جاتی ہیں۔ افادیت اور ضرورت کے تحت یہ قارئین میں کافی مقبول ہیں۔

سائنسی فیچر: سائنس کے تعلق سے آج دنیا میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی میدان میں کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور سامنے آتی ہے۔ ان نئی ایجادات، انکشافات، پرانی ایجادات کی نئی توضیحات، تاویلات اور نئے گوشوں پر فیچر لکھنا سائنسی فیچر کہلاتا ہے۔ سائنسی ایجادات نے نہ صرف انسان کو زندگی کی تمام سہولیات فراہم کردی ہیں۔ بلکہ زندگی کی مدت بھی بڑھادی ہے۔ ایسی صورت میں سائنسی فیچر میں عوام کی دلچسپی بڑی فطری بات ہے۔ یہ ضرور ہے کہ عوام ایسے فیچروں کو عام فہم سادہ اور سلیس زبان میں چاہتے ہیں تاکہ بہ آسانی ان کی سمجھ میں آجائے اور فنی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے ترسیل وابلاغ کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

اس کے علاوہ بھی اور بہت سے عنوانات ہیں جن پر فیچر لکھے جاتے ہیں۔ سب کا احاطہ کرنے کی نہ تو یہاں ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔

اخباری انٹرویو:

کسی انسان کی ظاہری شکل وصورت چہرے بشرے اور آؤ بھاؤ سے بھی اس کے مزاج کا کسی حد تک اندازہ ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کے مزاج، اس کے باطن، اس کے معیار کا مکمل اور بھرپور اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب وہ ہم سے ہم کلام ہوتا ہے اسی لئے شیخ سعدی نے کہا تھا۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

چنانچہ کسی شخصیت کے باطن، ذہن اور مزاج ومعیار سے آگاہی، اس کے عیب

وہنر کی جانکاری کے لئے اخباری ملاقات یا جسے عرف عام میں انٹرویو کہا جاتا ہے، ایک بہتر ذریعہ ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کسی بھی شخصیت کے ذہن کا عکس پوری طرح نمایاں ہوجاتا ہے۔ انٹرویو کے ذریعے کسی بھی شخص کی روحانی، اخلاقی، تعلیمی معیار کا جائزہ بڑی آسانی سے لیا جاسکتا ہے۔ انٹرویو کے ذریعے خبریں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ اور اس کے ذریعے بہت سی ایسی کارآمد دلچسپ باتیں بھی حاصل ہوجاتی ہیں جن کا دوسرے طریقوں سے حاصل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ان سے قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ انٹرویو کی تعریف کرتے ہوئے سید اقبال قادری لکھتے ہیں:

> ''صحافت میں ''انٹرویو'' کے معنی ہیں کسی منتخب شخص سے رسمی طور پر سوالات پوچھ کر جوابات حاصل کرنا۔ ایک دوسرے سے بات چیت تو ہمیشہ ہوتی رہتی ہے مگر پہلے سے طے شدہ وقت پر، طے شدہ مقام پر، رسمی طور پر مل بیٹھ کر روبرو سوال و جواب کا سلسلہ جاری رکھ کر معلومات حاصل کرنے کا عمل صحافتی اصطلاح میں ''ملاقات'' یا ''انٹرویو'' یا ''بھینٹ'' کہلاتا ہے'' 1

انٹرویو لینا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس میں فہم وفراست، حاضر دماغی اور وسیع معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی اہم شخصیت کو کسی مسلے پر بلوانا، زیادہ سے زیادہ بولنے کی ترغیب دینا اور اہم باتیں اگلوانا ایسا کھیل نہیں جسے بچے کھیلیں۔

کچھ لوگ بار بار سوال کرنے پر بھی اہم اور اصل حقائق کا انکشاف کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں کرتے۔ کچھ بولنے پر آتے ہیں تو کیا بات کرنہیں آتی'' والا معاملہ ہوتا ہے کچھ تشہیر سے گریزاں ہوتے ہیں کچھ تشہیر پسند اور کچھ تشہیر کے دیوانے۔ ایسی مختلف نفسیات و کیفیات کے لوگوں سے مطلب کی بات اگلوا لینے میں بڑی مہارت وفن کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

یوں تو انٹرویو میں ہر صحافی کا اپنا مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ کہا جاتا ہے

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989، ص 365.

کہ انٹرویو میں صحیح وقت پر صحیح سوال پوچھنا بہت معاون ہوتا ہے، انٹرویو کے کھیل میں جب تک دونوں کھلاڑی برابر حصہ نہ لیں کھیل آگے نہیں بڑھتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس میں دونوں کا بیدار، متوجہ،، فعال اور مددگار رہونا بھی انٹرویو کی تکمیل میں معاون ہوتا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں امریکہ میں اخباری انٹرویو کا آغاز ہوا۔ جس میں جیمس گورڈون بنیت (JAMES GORDON BENNETT) نامی صحافی نے پہلا انٹرویولیا۔ 1

انٹرویو کے اقسام: صحافتی انٹرویو کو عموماً چار قسموں میں بانٹا جاتا ہے۔

- انٹرویو برائے حقیقت۔
- انٹرویو برائے رائے۔
- انٹرویو برائے خبر۔
- شخصی انٹرویو۔

انٹرویو برائے حقیقت: جہاں کہیں بھی کوئی واقعہ یا حادثہ وقوع پذیر ہوتا ہے، صحافی وہاں پہلے سے موجود نہیں ہوتا۔ اطلاع ملنے پر پہنچتا ہے تو حادثے یا واقعے میں ملوث لوگوں یا جنھوں نے اس حادثے یا واقعے کو دیکھا ہے یا جو اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں ان سے انٹرویو لے کر یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ کیا ہوا۔ کیوں ہوا اور کیسے ہوا۔ ایسے انٹرویو لینے والا کچھ مختلف لوگوں سے ایک طرح کے سوالات کرتا ہے تا کہ حقیقت تک پہنچ سکے۔ جن لوگوں سے انٹرویو لے رہا ہے انکے نام اور پتے بھی اسے حاصل کر لینے چاہئیں۔ انھیں شائع کرنے کی اجازت بھی لے لے تو اور بہتر ہے۔

ایسے انٹرویو میں کسی متنازعہ معاملے میں دونوں فریقوں کا انٹرویو لے کر ان کا نکتہ نظر جاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

انٹرویو برائے رائے: کسی نئے فیصلے، نئے قانون، نئی ایجاد، یا کسی تبدیلی

---

1. سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1989ء، ص 357 .

کی اطلاع تو عوام کو مل جاتی ہے مگر صرف اطلاع سے ان کی تشفی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس پر متعلقہ افسران، حکام حکومت اور مقتدر شخصیتوں کا ردعمل یا رائے بھی جاننا چاہتے ہیں۔ ایسا چاہنے کا مقصد حقیقت سے واقفیت یا کسی چیز کے مستقبل میں منفی یا مثبت اثرات کا تخمینہ لگانا ہوتا ہے۔ آج کل تو کسی تبدیلی نئی چیز یا متنازعہ فی مسلے پر مقتدر ہستیوں کے ساتھ ساتھ مختلف وجوہات وضروریات کے تحت عوام کی رائے بھی انٹرویوں کے ذریعے جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ اخبار میں ہر طبقے کی نمائندگی ہو جائے۔ کوئی نیا وزیر، سفیر، وائس چانسلر، کلکٹر، کمشنر یا افسر عہدہ سنبھالتا ہے تو اس کی پالیسی مستقبل کے منصوبے، اس کی پالیسی اور پچھلے عہدہ کی پالیسی میں کیا فرق ہوگا۔ یہ جاننے میں چونکہ عوام کی دل چسپی ہوتی ہے اس لئے ان سے ایسے انٹرویو لیے جاتے ہیں۔

شخصی انٹرویو: شخصی انٹرویو میں حقائق بھی ہوتے ہیں۔ اطلاع بھی ہوتی ہے اور خبر بھی۔ مگر یہ سب کچھ کسی شخص کی ذاتی زندگی سے متعلق ہوتا ہے۔ اس میں کسی فرد کی ذاتی زندگی کے حالات اس کے کارناموں اور فتوحات کی بازگشت ہوتی ہے۔ شخصی انٹرویو ان لوگوں کے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں جو یکا یک شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔

خبروں کے لئے انٹرویو: بعض دفعہ کسی اہم خبر کی تصدیق، تفصیل، توثیق یا توضیح کے لئے کسی وزیر، افسر، سفیر یا ادارے کے سربراہ سے ملاقات کر کے متعلقہ مسلے پر ان کی رائے جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گو کہ اس میں حقیقت کی بازیافت بھی ہوتی ہے اور آراء کا حصول بھی یہ خبر کو بنیاد بنا کر لئے جاتے ہیں اس لئے ہم ان کو خبری انٹرویو کہہ سکتے ہیں۔

انٹرویو کے اہم اصول:

شخصیت کی سماجی حیثیت کے لحاظ سے انٹرویو کے لہجے واسلوب میں تبدیلی آجانا ایک قدرتی عمل ہے۔ کسی افسر اور کسی وزیر کے انٹرویو میں لہجہ فطری طور پر بدل جائے گا۔ صاحب انٹرویو کے بارے میں پہلے سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلینا یہاں تک کہ اس کے مزاج کی سختی یا نرمی کا پتہ لگالینا انٹرویو میں معاون ہوتا ہے۔ انٹرویو میں جانے سے پہلے سوال نامہ تیار کرلینا چاہئے اور ایسے سوالات ہرگز نہ پوچھے جائیں جن کے جوابات پہلے سے انٹرویو لینے والے کو معلوم ہوں۔ اور صرف اہم اور ضروری سوالات ہی پوچھے جائیں غیر ضروری سوالات سے احتراز کیا جائے۔ انٹرویو میں صاحب انٹرویو کو بولنے کا زیادہ موقع دیا جائے۔ سوالات مختصر صاف اور واضح ہوں سوالات میں اتنی گہرائی ہو کہ صاحب انٹرویو ہاں یا نا کے بجائے تفصیل سے جواب دینے پر مجبور ہو جائے۔ انٹرویو لینے والے کی فن کاری یہی ہے کہ گفتگو کو اپنے مقصد سے نہ ہٹنے دے۔ بغیر مکمل تیاری کے انٹرویو لینا مناسب نہیں۔ مثلاً جس موضوع پر انٹرویو لینا ہے اس کی پوری معلومات پہلے سے اکٹھا کرلی جائے تاکہ بہتر ضمنی سوالات بن سکیں۔

اشتہـــــارات : تجارتی اعلانات کو اشتہار کے زمرے میں شامل کیا جاتا ہے۔ اشتہارات کے ذریعے چیزوں کی فروخت ہی نہیں کی جاتی بلکہ پیشہ وارانہ خدمت کی پیش کش بھی کی جاتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر وکیل، ایڈیٹر، نجومی، عامل وغیرہ اشتہار کے ذریعے اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے آمادگی اور اوقات لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

یوں تو ہر اشتہار کا مقصد مالی منفعت ہے۔ مگر کچھ اشتہارات کسی مقصد کے لیے ہمدردی حاصل کرنے یا کسی نظریئے کی تشہیر کرنے کے لیے بھی دئے جاتے ہیں۔

اشتہارات کا ایک مقصد عوام کو کسی نئی بات کی جانکاری فراہم کرانا یا کسی طریقہ کار کو پیش کر کے مقبول بنانا بھی ہوتا ہے۔

بنیادی طور پر اشتہار کے ذریعے کسی شے کی تعریف وتوصیف کر کے خریدار کو

متعلقہ شے کے خریدنے کی ترغیب دینا ہے۔

جدید اشتہار بازی یوروپ کے صنعتی انقلاب کی دین ہے۔ جدید مشینوں کی ایجاد کے ذریعے پیداوار میں اضافہ ہوا تو اس کی کھپت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ لہذا اشتہارات اس مسلے کو حل کرنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔

اشتہارات کے ذریعے صارفین کو پتہ چلتا ہے کہ کون سی چیز بازار میں آ گئی ہے۔ کہاں کہاں دستیاب ہے۔ اس کی کیا کیا خوبیاں ہیں۔ ہماری ضرورت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس طرح ضرورت کی اشیاء حاصل کرنے میں لوگوں کو آسانی ہو جاتی ہے۔

پہلے بہت سی راحت افزا اشیاء سے صرف بڑے لوگ مستفید ہو پاتے تھے۔ متوسط طبقے کے کسی شخص کی قوت خرید ہو بھی تو وہ اس لئے اس سے فیض یاب نہیں ہوتا تھا کہ اسے اس چیز کی پوری جانکاری نہیں ہوتی تھی۔ یہ اشتہار ہی ہیں جنہوں نے بہت سی چیزوں کو عوام تک پہنچایا۔ اور ان ہی کے ذریعے عام لوگوں کی زندگی کا معیار دھیرے دھیرے بلند ہو رہا ہے۔

یہی نہیں اشتہارات لوگوں نیں اچھی چیزیں خریدنے اور استعمال کرنے کا ذوق پیدا کرتے ہیں لوگوں میں اچھی سے اچھی زندگی گزارنے کی خواہش ابھارتے ہیں۔ اور جب ایسی خواہش پیدا ہو جاتی ہے تو اسے پورا کرنے کے لیے وہ زیادہ محنت کرتے ہیں زیادہ جدوجہد کرتے ہیں۔ اس طرح افراد کی ترقی ہوتی ہے۔ افراد کی ترقی سے معاشرے کی ترقی ہوتی ہے۔ اس سے مجموعی طور پر ملک کی ترقی ہوتی ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ملک کی ترقی میں اشتہارات کا بڑا ہاتھ ہے۔

یہ ملک کی ترقی میں یوں بھی معاون ہوتے ہیں کہ جنگ کے دوران اشتہارات سے عوام میں ملک وقوم سے محبت کے جذبات کو ابھارنے کا کام لیا جاتا ہے یہاں تک کہ امن کے زمانے میں بھی یہ مختلف عوامی فلاح و بہبودی کے پروگراموں میں بڑے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنا شہر پاک صاف رکھو۔'' ''قدم سے قدم ملا کے چلو''۔ ''آنکھیں دان کرو''۔ ''خاندان محدود رکھو۔'' بیس نکاتی پروگرام ہوں یا تعلیم کی توسیع ہو۔ یا کوئی اور

قومی وریاستی پروگرام۔ اشتہاروں کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ بشرطیکہ یہ دیانت داری کے ساتھ صحیح ڈھنگ سے صحیح وقت پر صحیح جگہ دئے گئے ہوں۔

اشتہار بازی بحیثیت کل وقتی مضمون کے بہت سے اداروں میں ایم اے تک پڑھایا جارہا ہے۔ بہت سی جگہوں پر اس میں تحقیق ہورہی ہے آج تک اس موضوع پر جتنی کتابیں آچکی ہیں صحافت پر بھی نہیں آئی ہیں۔

اشتہار بازی کے آج کل کئی طریقے رائج ہیں۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو، اور ٹی وی تو ہیں ہی اس کے علاوہ ڈاک کے ذریعے بھی اشتہارات بھیجے جاتے ہیں۔ سنیما میں سلائڈ اور ڈاکومنٹری کے ذریعے انہیں پیش کیا جاتا ہے۔ دستی اشتہاروں اور دیواری پوسٹرس بدستور ہیں ہوائی اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں اور بس اڈوں پر بڑے بورڈ کے ذریعے ان کی نمائش کی جاتی ہے۔ کیلنڈر بھی ایک مستقل ذریعہ ہیں۔ کلوز سرکٹ ٹی۔ وی کے ذریعے بھی اشتہارات خوب چل رہے ہیں۔ ڈائری، کی رنگ، بک اسٹینڈ اور اسی طرح بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں اسکے لئے استعمال کی جاری ہیں۔ اسے روز بروز جدید سے جدید تر بنایا جارہا ہے۔

اخبارات کے لیے اشتہارات ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ بغیر اشتہارات کے اخبارات کا تصور ہی مشکل ہے۔ اشتہارات اخبارات کو دو طرح سے متاثر کرتے ہیں۔ ایک تو ان سے بہت اچھی آمدنی ہوجاتی ہے۔ دوسرے ان کی وجہ سے اخبارات کی دیدہ زیبی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ جس سے سرکولیشن پر اثر پڑتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کسی بھی اخبار کی آمدنی کا دو تہائی حصہ اشتہارات سے حاصل ہوتا ہے۔

آج اخباری اشتہارات کا مقابلہ ریڈیو، ٹی۔ وی سے ہے۔ لیکن جس طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے باوجود اخبارات کی اہمیت باقی ہے۔ اور باقی رہے گی اسی طرح اخباری اشتہارات کی اہمیت بھی باقی رہے گی۔ یہ بھی قارئین کے پاس آکر محفوظ ہوجاتے ہیں انہیں فرصت سے پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ ایک جھلک یا آواز کی ایک تڑپ کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتے۔ اخباری اشتہار میں زیادہ ہمہ گیریت ہوتی ہے۔ چونکہ ریڈیو اور ٹی وی بیک

وقت زیادہ لوگوں تک پہنچتا ہے اسی لئے ان کے اشتہارات کی شرح کافی زیادہ ہوتی ہے۔ جسے برداشت کرنا سب کے بس کی بات نہیں۔ اور شاید سستے ہی ہونے کی وجہ سے کچھ اعلانات اطلاعات اور ٹنڈرس ہیں جو صرف اخبارات میں ہی شائع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر قانونی اطلاعات یا نوٹسیں۔

اخباری اشتہارات کی دو قسمیں ہیں ایک ''غیر مستقل'' کہلاتی ہے دوسری ''کانٹریکٹ ریٹ'' یہ مستقل اشتہارات ہوتے ہیں۔ جن کے نرخ غیر مستقل کے مقابلے کم ہوتے ہیں۔

ایک معیاری اخبار میں عام طور سے آٹھ کالم ہوتے ہیں اور ہر کالم کی چوڑائی ۲ انچ ہوتی ہے۔ اخبارات اشتہار کا ریٹ فی کالم فی سنٹی میٹر کے حساب سے متعین کرتے ہیں۔ چھوٹے اخبارات پورا صفحہ آدھا صفحہ اور پاؤ صفحہ کے حساب سے بھی اپنا ریٹ مقرر کرتے ہیں۔

اشتہار دینے والے بڑے تجارتی ادارے اخبارات کو براہ راست اشتہار دینے کے بجائے ایڈورٹائیزنگ ایجنسیوں کو اپنی پبلی سٹی کی ذمہ داری دیتے ہیں۔ یہ ایجنسیاں دوسرے ذرائع کے ساتھ ساتھ اخبارات میں بھی اشتہارات تیار کرا کے بھیجتی ہیں۔

اس کے علاوہ ہر ریاست میں محکمہ اطلاعات یا شعبہ رابطہ عامہ قائم ہے جس کے ذریعے اخبارات کو اشتہارات دئے جاتے ہیں۔ یہ محکمے علاقائی زبانوں کے اخبارات کو زیادہ اشتہارات دیتے ہیں۔

البتہ ایڈورٹائیزنگ ایجنسیاں چھوٹے اخبارات کو نظر انداز کرتی ہیں۔ چھوٹے اخبارات کو کم اشتہار ملنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اخبارات اشتہار حاصل کرنے کے لیے پوری کوشش نہیں کرتے۔ انہیں مقامی صنعتی اداروں سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ بڑے تاجروں کو راغب کرنے کے لیے خصوصی رعایتی اسکیم کا اعلان کرنا چاہیے۔

سرکولیشن : اخبار کی بکنے والی تعداد کو سرکولیشن کہتے ہیں۔ سرکولیشن اخبار کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا انسانی زندگی کے لیے خون۔ اخبارات کا صرف چھپ جانا اہم نہیں ہے۔

ان کا بکنا اور قارئین تک بروقت پہنچنا ضروری ہے۔ اشتہارات حاصل کرنے کے لیے بھی یہ تعداد معاون ہوتی ہے۔ صنعت کار اور تاجر اشتہار دیتے وقت متعلقہ اخبار کی کثیر تعداد کی تصدیق کر کے ہی اپنا اشتہار دیتے ہیں۔

شروع شروع میں جب اخبارات جاری ہوئے تو کتب فروشوں ہی کے ذریعے بیچے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں تبدیلی آتی گئی۔ آج اخبار کی بہتر تقسیم کاری ایک فن کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ ابھی پچھلی صدی تک اخبارات براہ راست ''نیوز ڈسٹری بیوٹر ایجنسیوں کے ذریعے فروخت ہوتے تھے لیکن بعد میں زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے اخبارات نے براہ راست اپنے دفتروں یا ان کی شاخوں سے ہی اخبار تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

معیاری اخبار میں سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ چار حصوں میں بٹا ہوتا ہے۔

- میل
- کنٹری سرکولیشن
- شہری سرکولیشن
- اسٹریٹ سیل

پہلا شعبہ ان تمام پرچوں کو بھیجتا ہے جو ڈاک سے بھیجے جاتے ہیں۔ ان پر ریپر لگانا اور پتہ لکھنا اسی شعبے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ روزانہ ڈاک سے بھیجے جانے والے پرچوں کی تعداد زیادہ ہو تو بغیر ٹکٹ لگائے ہی پرچے بھیجے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے محکمہ ڈاک سے ایک لائسنس لینا پڑتا ہے۔

دوسرا شعبہ دیہی علاقوں میں اخبار پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں بس یا وین کے ذریعے اخبار پہنچایا جاتا ہے۔

تیسرا شعبہ شہر میں اخبارات کی تقسیم کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ بڑے شہر کو علاقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جسے زون کہتے ہیں۔ ہر علاقے میں وقت سے اخبار پہنچانے کے لیے وین کا انتظام رہتا ہے۔

چوتھا شعبہ سڑکوں کے کنارے اخبار بیچنے والوں کو اخبار تقسیم کرتا ہے۔ بعض اخبار اس کے لئے سول ایجنٹ مقرر کرتے ہیں۔ جو ایک مقررہ تعداد میں اخبار خرید کر شہر میں مختلف طریقوں سے اخبار بیچنے والوں کو فراہم کرا دیتے ہیں۔ بعض اپنے دفتروں سے براہ راست ہاکروں کو دیتے ہیں۔

ایک عام اندازے کے مطابق گیارہ سے بارہ فی صد خرچ سرکولیشن پر ہی آتا ہے۔ اخبارات کے مالکان کی انفرادی جماعتی یا سیاسی پالیسی کا اثر بھی سرکولیشن پر پڑتا ہے غیر جانبدار اخبار کو اعلا تعلیم یافتہ طبقے کی سرپرستی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

سرکولیشن بڑھانا ہر اخبار کے مالک کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کے لئے سرکولیشن مینیجر ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ سرکولیشن میں اضافہ کرنے کی کوشش کو سرکولیشن پرموشن کہتے ہیں۔ بڑے اخبارات میں سرکولیشن کا الگ شعبہ ہوتا ہے۔

سرکولیشن کیسے بڑھایا جائے اس کے لئے اب تک سیکڑوں نسخے استعمال کئے جا چکے ہیں۔ ہر سرکولیشن مینیجر اس کے لئے نئے نئے طریقے نکالتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔

خصوصی مضامین فیچر اور دیگر اہم مواد کے اشاعت کی اطلاع اخبار فروشوں ایجنٹوں اور دوسرے خریداروں کو پیشگی دی جاتی ہے۔ اس سے متعلق پوسٹر انہیں بھیجے جاتے ہیں۔ دوسرے اخباروں میں اسکا اشتہار دیا جاتا ہے۔

نئے خریداروں کو رعایتی قیمت کی پیش کش کی جاتی ہے۔ یا آزمائشی خریداری کے نام پر ایک ہفتہ تک اخبار مفت دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اخبار یا رسالہ ایک خاص مدت تک پسند نہ آئے تو زر سالانہ واپس کر دینے کی پیش کش کرتے ہیں۔

کچھ اخبار اخبار فروشوں کی مدد کر کے سرکولیشن بڑھانے یا قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً ان کی دکان کے لیے سائن بورڈ بنوا دینا۔ جس پر ان کے اخبار کا نام ہو۔ پیپر ویٹ دینا جس پر ان کے اخبار کا نام کھدا ہو۔ ایسے خوبصورت تھیلوں میں اخبار بھیجنا۔ جس پر ان کے اخبار کا نام چھپا ہوا ہو۔ اخبار سجانے کے لیے اسٹینڈ فراہم کرنا۔

نئے اخبارات نمونے کی کاپی کچھ دنوں تک مفت بھیجنے کے بعد خریداری قبول کر لینے کی درخواست بھیجتے ہیں۔ جس کے ساتھ سہولت کی خاطر آڈر فارم بھی منسلک ہوتا ہے۔ نئے خریداروں کو تحفے پیش کئے جاتے ہیں۔ جسے پریمیم کہتے ہیں۔ پانچ سالانہ خریدار فراہم کروانے والے کو اخبار مفت بھیجے جانے کی اسکیم بھی ہوتی ہے۔ ایک ہی جگہ سے اخبار اور رسالہ دونوں نکلتے ہیں۔ تو دونوں کی مشترکہ خریداری میں زیادہ رعایت دی جاتی ہے۔

سوال وجواب کے کالم کے لئے سوال بھیجنے والوں سے اخبار سے کاٹے گئے کوپن یا ٹوکن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ معموں کا کاروبار کرنے والے تو ایسے ٹوکن ضرور مانگتے ہیں۔ رعایتی اعلانات میں بھی کوپن یا ٹوکن ضرور مانگا جاتا ہے۔

اخبارات میں انعامی مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ اوران میں حصہ لینے کے لیے کوپن کی شرط ہوتی ہے۔ کچھ اخبارات کالجوں یونیورسٹیوں کے طلبا کو رعایتی قیمت پیش کرتے ہیں۔

اخباروں کی تشہیر کے لیے سنیما سلائڈ۔ ریڈیو اور ٹی وی پر اشتہارات تو دیئے ہی جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سڑکوں کے کنارے بورڈ پر پلیٹ فارم پر اور بسوں کے باہر بھی اخبارات کے اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔

تعلیمی وظیفوں کے ذریعے ہونہار طلبا کی مدد کی جاتی ہے۔ بہترین فن کاروں کا انتخاب کر کے کسی بڑے جلسے میں انعام تقسیم کرنا بھی کافی مروج ہے۔

اسی طرح سرکولیشن بڑھانے کے سیکڑوں طریقے ہیں۔ بلکہ سرکولیشن بڑھانے کی وہ تمام کوششیں جائز سمجھی جاتی ہیں۔ جو قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہ کر کی گئی ہوں۔

دراصل سرکولیشن کی تعداد دیکھ کر نہ صرف یہ کہ اشتہارات زیادہ ملتے ہیں۔ بلکہ بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ ساتھ اشتہارات کے نرخ میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ اخبار کی عزت و وقار کا بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ لہذا کوئی بھی اخبار اپنا سرکولیشن صحیح نہیں بتاتا۔

گو کہ اخبارات یہ دعویٰ کرتے تھے کہ کوئی بھی ان کے دفتر میں آکر جانچ کر سکتا

ہے۔ یہ دعویٰ برائے دعویٰ ہی تھا اور ایک زمانے تک صحیح تعداد جاننے کا کوئی مناسب ذریعہ نہ تھا اور مشتہرین و دیگر افراد صحیح تعداد اشاعت ہر حال میں جاننا چاہتے تھے۔ اسی ضرورت کے تحت ایک غیر جانبدار ادارہ آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کے نام سے قائم کیا گیا۔ پہلے یہ ادارہ مغربی ممالک میں قائم ہوا۔ ہندوستان میں ۱۹۴۸ء میں بمبئی میں قائم ہوا۔ یہ ایک غیر منفعت بخش ادارہ ہے۔ اس کے تمام انتظامات اور نگرانی ایک کونسل آف مینجمنٹ کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس کے نصف اراکین باری باری بدلتے رہتے ہیں۔ ہر سال جنرل باڈی میٹنگ میں نئے اراکین کا باقاعدہ چناؤ ہوتا ہے۔ اس سے کچھ خاص لوگوں کی اجارہ داری کا موقعہ ختم ہو جاتا ہے۔

ملک کے سبھی بڑے اخبارات اس ادارے کے ممبر ہیں۔ یہ ادارہ سختی سے جانچ کر کے سرٹیفیکٹ جاری کرتا ہے۔ چونکہ ابھی تک یہ ادارہ پوری دیانتداری سے اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہا ہے اس لئے اس کے جاری کردہ سرٹیفکیٹ سبھی جگہ قابل قبول ہوتے ہیں۔

اخبارات کا اقتصادی اور انتظامی ڈھانچہ :اب وہ زمانہ نہیں رہا جب اخبار ذوق کی تسکین، تحریک کی حمایت، اور سماج میں سربلندی حاصل کرنے کے لئے قومی خدمت کی سرشاری میں چلائے جاتے تھے۔ اب تو زیادہ تر اخبارات مالی منفعت کے لئے تجارتی سطح پر چلائے جاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ پاتے یا ان کا سرکولیشن بہت محدود رہتا ہے۔ لہذا آج کل عافیت تجارتی سطح پر ہی اخبار نکالنے میں ہے۔

کوئی بھی تجارت کامیاب جب مانی جاتی ہے جب اس سے اچھا فائدہ ہو۔ اخبار سے اچھے منافع کے لئے بہتر انتظامیہ کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں تربیت یافتہ عملہ ہو۔ آج کل بڑی صنعتوں کے انتظامی ڈھانچے تین طرح کے ہوتے ہیں۔

- ''فوجی طرز کا ڈھانچہ'' جس میں اہرامی شکل ہوتی ہے۔ سب سے اوپر ایک افسر اس کے ماتحت دو یا تین افسران۔ پھر ان کے ماتحت چھ یا آٹھ پھر ان کے

ماتحت بیس یا پچیس اسی طرح نچلی سطح بڑھتی چلی جاتی ہے۔

- ''کارگر ڈھانچہ''۔جس میں ہر کام کسی نہ کسی کو سونپ دیا جاتا ہے۔اور پورے طور پر کام کی ذمہ داری بھی اسی کی ہوتی ہے وہ اپنے ماتحتوں کی کارگردگی پر نظر رکھ کر کام کو تسلسل سے کرواتا رہتا ہے۔
- ''عملہ اور سلسلہ وار ڈھانچہ''

یہ پہلے اور دوسرے قسم کے ڈھانچوں کا امتزاج ہوتا ہے۔

اخبارات میں عموماً تیسری طرز کے ڈھانچے کو ہی اپنایا جاتا ہے۔جس سے انتظامیہ میں درجہ بدرجہ کنٹرول بھی برقرار رہتا ہے۔اور ہر سطح پر ہدایات بھی جاری ہوتی رہتی ہیں۔

اس ڈھانچے کے عملے میں سب سے اوپر جنرل منیجر ہوتا ہے۔جس کے ماتحت ایڈورٹائیزنگ منیجر، سرکولیشن منیجر اور اکاؤنٹس افسر کام کرتے ہیں۔جہاں کسی پالیسی کا معاملہ ہوتا ہے وہاں عملہ کے جملہ افسران کو مدعو کر کے رائے طلب کی جاتی ہے اگر کوئی مسئلہ سرکولیشن کا ہے تو شعبہ سرکولیشن میں کام کرنے والے افسروں یا اہم کارکنوں کو مدعو کر کے رائے طلب کی جاتی ہے۔اخباری انتظامیہ میں صلاح ومشورے کی اہمیت ہوتی ہے۔کسی بھی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے متعلقہ شعبے کے افسروں کے رجحان کا جائزہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔اختلاف رائے کی صورت میں بحث ومباحثے کے بعد کوئی درمیانی راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔جس پر سب متفق ہو جائیں۔ویسے ہر اخبار کا انتظامی ڈھانچہ الگ ہوتا ہے۔کوئی اخبار کسی ایک فرد کی ملکیت ہوتا ہے۔کسی اخبار کو کئی لوگ مل کر چلاتے ہیں کچھ اخبار کمپنیوں کی ملکیت ہوتے ہیں۔کچھ اخبارات کسی ٹرسٹ یا اوقاف کی طرف سے چلائے جاتے ہیں۔بعض سیاسی جماعتوں کی طرف سے چلائے جاتے ہیں۔اخبار کی پالیسی اکثر اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اخبار کس کا ہے۔

چھوٹے اخبار یا فرد واحد کے اخبار کے انتظام وانصرام میں آسانی ہوتی ہے۔ اخبار جتنا بڑا ہوتا ہے۔مسائل بھی اتنے ہی پیچیدہ ہوتے ہیں۔

ماہرین کا خیال ہے کہ اخبار کے دفتر کی عمارت اس کی اپنی ملکیت ہوتو بہتر ہے کرائے کی عمارت میں بہت سے مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ اخبار کے دفتر کا شہر کے وسط میں ہونا ضروری ہے جہاں سے ریل۔ بس اور ہوائی اڈے تک اخبار آسانی سے پہنچائے جاسکیں۔ عمارت کا صاف ستھرا اور خوبصورت ہونا بھی ضروری ہے۔ اخبار کے دفتر میں مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں وہ خوشگوار اثر لے کر جائیں تو اخبار کا وقار بڑھتا ہے۔

کسی بھی معیاری اخبار کے عملہ میں کم وبیش مندرجہ ذیل اراکین ہوتے ہیں۔

انتظامی: 1۔ ناشر/مالک۔ 2۔ جرنل منیجر۔ اڈیٹر۔ کیشیر۔ پرچیزنگ ایجنٹ۔

ادارت: 1۔ چیف اڈیٹر۔ 2۔ منیجنگ اڈیٹر۔ 3۔ نائٹ اڈیٹر۔ 4۔ نیوز اڈیٹر۔ 5 5۔ ٹیلی گراف اڈیٹر۔ 6۔ اسٹیٹ اڈیٹر۔ 7۔ لٹریری اڈیٹر۔ 8۔ فلم اڈیٹر۔ 9۔ مذہبی اڈیٹر۔ 10۔ آرٹ اڈیٹر۔ 11۔ اسپورٹس اڈیٹر۔ 12۔ فائیناشیل اڈیٹر۔ 13 سوسائٹی اڈیٹر۔ 14۔ خصوصی مدیر۔ لائبریرین۔

ایک متوسط درجے کے اخبار میں تین شعبے ہوتے ہیں۔ شعبہ ادارت، شعبہ تجارت اور میکانکی یا شعبہ طباعت۔ ان شعبوں کو ''فرنٹ شاپ''۔ ''مڈل شاپ'' اور ''بیک شاپ'' بھی کہتے ہیں۔

''فرنٹ شاپ'' تجارتی شعبہ ہوتا ہے۔ یہاں خریداری کی رقم جمع کرنے والے اشتہار دینے والے اور ایجنٹ آتے جاتے رہتے ہیں۔ مڈل شاپ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں عملہ ادارت مصروف کار رہتا ہے۔ یہاں آنے جانے والوں کی ہمت افزائی نہیں کی جاتی۔

''بیک شاپ'' وہ پچھلہ حصہ ہوتا ہے۔ جہاں طباعت کا انتظام ہوتا ہے۔ یہاں بھی باہری لوگوں کا آنا جانا ممنوع ہوتا ہے۔

جہاں بات انتظام وانصرام کی آتی ہے وہاں مسائل کا کھڑا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اخبار خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ مسائل سے دوچار ہوتا ہی ہے۔ ہر اخبار کے اپنے الگ الگ قسم کے مسائل ہوتے ہیں اور مسائل اخبار کے تینوں شعبوں میں ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ایک بڑا مسئلہ عملے اور مالکان میں تعاون کا ہے۔ مالکان اور عملے کے درمیان جھگڑے عموماً مالی معاملات پر ہوتے ہیں۔ تنخواہ بونس اور دیگر مالیاتی امور کبھی عملہ مالکان پر الزام لگاتا ہے اور کبھی مالکان عملے کے عدم تعاون کی شکایت کرتے ہیں۔ بہر حال ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ مالکان اور عملے کے تنازعات کا مناسب حل سوجھ بوجھ سے نکالا جائے اور دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات ہر صورت میں قائم رکھے جائیں۔

اخبار کا دوسرا بڑا مسئلہ اخباری کاغذ کی بروقت فراہمی ہے۔ گورنمنٹ کی پالیسی وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے۔ لہذا مالکان کو اس سلسلے میں بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اخباری کاغذ کا ریزرو اسٹاک رکھا جائے تو بہتر ہے۔

تیسرا مسئلہ بجلی کی لگاتار سپلائی کا ہے۔ محکمے کی طرف سے بھی سپلائی میں کٹوتی ہو جایا کرتی ہے۔ کبھی کبھی بڑا فالٹ ہو جانے سے بھی سپلائی بند ہو جاتی ہے۔ لیکن اخبار تو ہر صورت میں وقت پر نکلنا ہوتا ہے۔ لہذا اس مسئلے سے نپٹنے کے لیے مالکان جنریٹر کا انتظام پہلے سے ہی رکھتے ہیں۔

نئی نئی ایجادات کی وجہ سے ترقی اور تبدیلی جلد جلد رونما ہوتی ہے۔ ہر نئی ایجاد سے پرانی مشین بیکار ہو جاتی ہے اور نئی مشین کے لیے بڑا سرمایہ درکار ہوتا ہے لیکن مسئلہ اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب ہم عصر اخبارات نئی ایجادات کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اس وقت ان ایجادات کا استعمال نہ کر پانے والے پیچھے رہ جاتے ہیں اور یہیں اخبار کی عزت اور وقار داؤ پر لگ جاتا ہے۔

ان تمام مسائل کے باوجود اخبارات کامیابی سے چل رہے ہیں۔ بلکہ نئے نئے اخبارات میدان میں آتے جا رہے ہیں۔ اس دور میں ہر صنعت کی طرح اخباری صنعت کا دارومدار بھی سرمائے پر ہے۔ جب تک مطلوبہ سرمایہ نہیں لگے گا۔ دوسری صنعتوں کی طرح یہ بھی منافع بخش نہیں ہوگی۔ اسے شروع کرنے سے پہلے صحیح تخمینہ کر کے مطلوبہ سرمایئے کا پکا انتظام ضروری ہے۔

آج کل بہت سی صنعتیں قرض لے کر شروع کی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ اخبار کے

لیے بھی اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ بہر حال ذریعہ جو بھی ہو۔ تمام ممکنہ مالی مسائل کا حل پہلے سے معقول وسائل کے ذریعے طے ہونا چاہیے۔

اخبار کے اجراء کا طریقہ کار : اخبار نکالنے کا ارادہ کر لینے کے بعد سب سے پہلے ضلع کے ڈپٹی کمشنر یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا اپنے علاقے کے ڈپٹی کلکٹر یا سب ڈویژنل مجسٹریٹ سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ کسی نئے اخبار یا رسالے کے جاری کرنے کے لیے ایک مخصوص فارم بھی بھرنا ہوتا ہے۔ جسے ڈیکلریشن کہتے ہیں۔ اس میں مجوزہ اخبار کا نام۔ زبان۔ وقفہ اشاعت اور دیگر معلومات فراہم کرنی ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی مجوزہ نام کے پانچ دس متبادل ناموں کی فہرست بھی منسلک کرنی ہوتی ہے۔ متعلقہ مجسٹریٹ پہلے رجسٹرار آف نیوز پیپرس فار انڈیا۔ نئی دہلی سے رابطہ قائم کر کے مجوزہ ناموں میں سے کسی ایک نام کی منظوری چاہے گا۔ رجسٹرار اپنے ریکارڈ سے یہ تصدیق کرے گا کہ اس نام کا اخبار یا رسالہ اس کے یہاں پہلے سے رجسٹرڈ تو نہیں ہے۔ اگر رجسٹریشن نہیں ہے تو منظوری دے دے گا۔ اگر رجسٹرڈ ہے تو منظوری نہیں دے گا۔ منظوری نہ دینے کی صورت میں درخواست کنندہ سے مزید مجوزہ نام طلب کئے جائیں گے۔ ایسی فہرستوں میں تمام نام از روئے ترجیح لکھنے ہوتے ہیں۔ رجسٹرار کے یہاں سے منظوری آجانے کے بعد مجسٹریٹ ڈیکلریشن کی باضابطہ تصدیق کر دیتا ہے۔

مصدقہ ڈکلریشن فائل ہونے کے چھ ہفتے کے اندر اندر روزانہ اخبار کا شروع ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ دو روزہ سہ روزہ اور ہفت روزہ کے لیے بھی یہی مدت ہے البتہ پندرہ روزہ یا ماہانہ کے لیے تین ماہ کی مدت دی گئی ہے۔

اگر کسی اخبار کے مالک ناشر طابع یا مدیر میں کوئی ردوبدل ہو۔ یا اخبار کے نام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی آئے تو مجسٹریٹ کے روبرو نیا ڈیکلریشن فارم بھرنا لازم ہوتا ہے۔

اگر کوئی روزانہ۔ دو روزہ۔ سہ روزہ۔ ہفت روزہ۔ پندرہ روزہ اخبار آدھے شمارے یا ہفت روزہ سال میں ۲۶ شمارے شائع نہیں کرے گا یا دیگر معیاری جرائد بارہ مہینے تک شائع نہیں ہوتے ہیں تو ڈیکلریشن خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے دوبارہ اشاعت شروع کرنے کے لیے نیا ڈیکلریشن بھرنا پڑتا ہے۔

ہر شمارے میں امپرنٹ یعنی طباعتی اشاریئے کا ہونا ضروری ہے جس میں ناشر طابع اور مالک کا نام اور مقام اشاعت کا مکمل پتہ درج ہونا ضروری ہوتا ہے دیگر تفصیلات ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے آفس سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اخباری کاغذکے لئے درخواست: رجٹریشن ہوجانے کے بعد اخبار کے لیے پہلا مسئلہ اخباری کاغذ کی دستیابی ہے۔ اخباری کاغذ کے لئے گورنمنٹ رجسٹرڈ اخبارات کوایک لائسنس دیتی ہے۔ جس کے ذریعے کاغذ اخبار کو معینہ قیمت پر ملتا رہتا ہے۔ پہلی بار اخباری کاغذ کے لئے درخواست مخصوص فارم پر (دو کاپیاں) ''رجسٹرار آف نیوز پیپرس فار انڈیا۔ راما کرشنا پورم نئی دہلی''۔ کے نام بھیجنا ہوتا ہے۔ یہ پرینٹڈ فارم ''چیف کنٹرولر آف۔ امپورٹس اینڈ اکسپورٹس۔ نئی دہلی''۔ ''رجسٹرار آف نیوز پیپرس فار انڈیا نئی دہلی''۔ یا نیوز پرنٹ درآمد کرنے والے منظور شدہ تاجروں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

کس اخبار کو کتنا کاغذ دیا جائے اس کا فیصلہ رجسٹرار آف نیوز پیپرس کے دفتر سے ہوتا ہے وہ یہ فیصلہ اخبار کے سائز۔ اوسط صفحات۔ اشاعت کا تسلسل اور وقفہ اشاعت دیکھ کر کرتے ہیں اور جو فیصلہ ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے کوٹہ مقرر ہوجاتا ہے۔

''رجسٹرار آف نیوز پیپرس'' کے دہلی دفتر اور دیگر معین علاقائی دفاتر اور ''پریس انفارمیشن بیورو'' کی شاخوں میں آئی ہوئی متعلقہ اخبار کی کاپیوں سے اشاعت کے تسلسل کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس میں کمی یا بیشی کی صورت میں اخباری کاغذ کے کوٹے میں بھی تخفیف یا اضافہ ہوسکتا ہے۔

ہر اخبار کے ناشر کے لیے یہ ضروری ہے کہ اخبار کی اشاعت کے اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اپنے شائع شدہ اخبار کی ایک کاپی رجسٹرار آف نیوز پیپرس فار انڈیا نئی دہلی یا دیگر تجویز شدہ دفاتر کو لازمی طور پر ارسال کرے۔

برائے رجسٹریشن: نئے اخبار کو چاہئے کہ اپنے پہلے شمارے کی ایک کاپی۔ ''رجسٹرار آف نیوز پیپرس فار انڈیا۔ آر۔ کے پورم، نئی دہلی۔ ٦٦۔'' کے نام روانہ کرے۔ ساتھ میں مجسٹریٹ کا مصدقہ ڈیکلریشن فارم جو پہلے بھرا گیا تھا، کی ایک کاپی بھی منسلک

کرے۔ رجسٹرار اپنے یہاں اس کا اندراج کر کے ایک رجسٹریشن نمبر معہ رجسٹریشن سرٹیفکیٹ ناشر کو بھیج دے گا۔

طباعتی مشینوں کے لیے درخواست : اگر کمپوزنگ یا پرنٹنگ مشین غیر ممالک سے منگانی ہو تو اس کے لیے کنٹرولر آف امپورٹس اکسپورٹ سے خصوصی فارم حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے کی اور ضروری تفصیلات جاننے کے لیے PROJECT AND EQUIPMENT CORPORATION ..... ؟ OF INDIA, NEW DELHI..... سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ مندرجہ بالا کارپوریشن کے نام درخواستیں.... RNI-M(I) اور..... RNI-M (I) پر بھیجی جاسکتی ہیں۔ جس کے نمونے (پروفارمہ) رجسٹرار آف نیوز پیپرس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سالانہ اعلان نامہ: ہر اخبار کے ناشر کو ہر سال فروری کے آخری ہفتے میں ایک گوشوارہ پریس رجسٹرار کے نام خصوصی فارم پر (جو فارم ۱۱ کہلاتا ہے) بھیجنا ضروری ہے۔ ایکٹ اینڈ رولز میں اس کی اہمیت واضح ہے اسے فروری کے اندر ہی چلا جانا چاہیے سالانہ تفصیل نہ بھیجنا جرم ہے۔ اس کے لئے دفعہ ۱۹ کے تحت عدالت میں کاروائی ہوسکتی ہے۔ فارم VIII میں ضروری تفصیلات کا اخبار کے فروری کے آخری دن کے بعد شائع ہونے والے پہلے شمارے میں شائع ہونا ضروری ہے۔

دراصل ان ہی انفرادی اخبار و رسائل کی طرف سے بھیجی گئی سالانہ رپورٹ کی بنا پر رجسٹرار آف نیوز پیپرس کے دفتر سے ایک تفصیلی رپورٹ مرتب ہو کر حکومت کو پیش ہوتی ہے۔ لہذا ہر ناشر کا فرض ہے کہ اپنے گوشوارے میں تمام معلومات درست اور ضروری تفصیل کے ساتھ درج کرے۔

تعداد اشاعت کی تصدیق : پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ 1867ء کی دفعہ F کے تحت پریس رجسٹرار خود یا کسی گزیٹیڈ آفیسر کو نامزد کر کے اخبار کے دفتر کا اچانک معائنہ کرا کے اشاعت سے متعلق حساب کتاب چک کرا سکتا ہے۔ نیوز پیپرس

کوٹہ متعین کرنے کے لیے ایسے معائنہ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

ڈیکلریشن منسوخی : اگر کوئی شخص اپنا اخبار بند کر رہا ہے۔ تو اسے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے آفس میں جا کر اخبار بند کرنے کا ڈیکلریشن بھرنا چاہیے۔ ایسا نہ کرنا جرم ہے۔ اور اس کے لئے پریس اینڈ رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ 15.A کے تحت قانونی کاروائی ہوسکتی ہے۔

پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ 1867ء کے تحت اگر کوئی شکایت ہے تو اخبار اپنی اپیل اس پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔؟..... یونین منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ (پریس سیکشن) نئی دہلی۔

سنڈیکیٹ ادارے : آج دنیا میں سیکڑوں ایسے ادارے ہیں جو مختلف قسم کے اخباری مواد جیسے مضامین کالم اداریئے ہلکے پھلکے مضامین چٹکلے مشورہ کالم گھریلو نسخے، تبصرے، تصویریں، خاکے، نقشے اخبارات کو قیمتاً فراہم کراتے ہیں ایسے اداروں کو ''سنڈیکیٹ'' کہا جاتا ہے۔

مغربی ممالک کی طرح اب ہندوستان میں بھی ایسے کئی ادارے سرگرم عمل ہیں۔ لیکن ابھی اردو میں سنڈیکیٹ مواد کم دستیاب ہے۔

بہرحال ہندوستانی ''سنڈیکیٹ'' میں ''انفا'' نامی ادارہ کافی مشہور ہے۔

انفا: یہ ادارہ یہاں 1959ء میں قائم ہوا۔ یہ خبریں فیچر اور مضامین کی فراہمی میں سرگرم ہے اس ادارے کی خصوصیت ہے حالات حاضرہ پر بے لاگ تبصرہ یہ ادارہ چھوٹے اخبارات کی ضروریات پر کافی توجہ دیتا ہے۔

امریکی سنڈیکیٹ اداروں کے طور طریقوں کو ہندوستانی انداز میں اپنا کر اس ادارے نے مختلف ماہرین کی خدمات حاصل کی ہیں۔ آج بہت سے مبصرین مقالہ نگار کالم نویس کارٹونسٹ۔ پریس فوٹوگرافر۔ معاشیاتی ماہرین۔ سیاسی مبصر اور دیگر قلم کار۔ انفا کے لئے مستقل اپنا تعاون دیتے رہتے ہیں، اور ملک کے سیکڑوں چھوٹے بڑے انگریزی اور

ہندوستانی زبانوں کے اخبارات اس کی خدمات حاصل کر رہے ہیں۔اس کا پتہ ہے۔
''انڈیا نیوز آف فیچر لائسنس۔جیون دیپ۔پارلیمنٹ اسٹریٹ۔نئی دہلی۔''

کنگ فیچر سنڈیکیٹ : یہ ادارہ دنیا کے بہترین سنڈیکیٹ میں سے ایک ہے۔اس کا مرکزی دفتر نیویارک ہے۔یہ ادارہ پچھلے ستر سالوں سے دنیا کے کونے کونے میں ہزاروں اخباروں کو اخباری مواد فراہم کراتا آیا ہے۔اس کے خریدار دنیا کے ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔اس کی جانب سے ہندوستان میں روزانہ اور ہفت روزہ دونوں قسم کے اخبارات کے لئے مستقل فیچر مواد بھیجنے کا اہتمام ہے۔یہاں اس کے مواد کی فراہمی صرف بمبئی سے کی جاتی ہے۔ہندوستان میں اس کے رابطے کا پتہ ہے۔

''ایڈورٹائزنگ فلمز آف انڈیا (پرائیوٹ) لیمیٹیڈ آن لوکر بلڈنگ سر فیروز شاہ مہتا روڈ،فورٹ،بمبئی۔400001۔''

کار ٹوگرافی نیوز سروس : کارٹوگرافی نقشہ نویسی کو کہتے ہیں۔آج صرف جغرافیائی نقشوں کی ہی نہیں بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے شعبوں میں بھی تکنیکی طور پر تیار پلان گراف اور کئی بصری پیکروں کی ضرورت پڑتی ہے۔مثلاً اس وقت نیوز کارٹوگراف کی اہمیت تسلیم شدہ ہے۔کسی بھی خبر کے ساتھ اس سے متعلق نقشے یا اعداد شمار پر بنے ہوئے چارٹ یا گراف دیئے جاتے ہیں تو خبر کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

یہ ادارہ 1958ء سے ہی اس قسم کی چیزیں اخبارات کو فراہم کرتا آرہا ہے آج ملک کے تقریباً سبھی اخبارات ورسائل کو یہ ادارہ نقشے چارٹ گراف اور جدول باقاعدگی سے فراہم کرتا ہے۔اس کے تیار کردہ نقشہ جات اور گراف بہت معتبر اور درست مانے جاتے ہیں۔اسکا پتہ ہے۔

''کارٹوگرافک نیوز سروس۔نمبر 13 رٹوڈرمل لین۔نئی دہلی 110001۔''

پریس ایشیاانٹرنیشنل : یہ ادارہ اپنے موضوع کے ماہرین نامی گرامی صحافیوں سے مضامین کالم، مقالے اور تبصرے لکھوا کر اخبارات کو فراہم کرتا ہے۔یہ

1970ء میں شروع ہوا۔ آج یہ اردو، ہندی۔ انگریزی، گجراتی، مراٹھی اور عربی میں قریب قریب ایک سو پچاس ہندوستانی اور تیس سے زائد غیر ملکی جرائد کو اپنی خدمات پیش کر رہا ہے۔ یہ ادارہ اردو اخبارات سے روابط استوار رکھنے میں خصوصی توجہ دیتا ہے اس کا پتہ ہے۔

''پریس ایشیا انٹرنیشنل۔A گل مہر پارک نئی دہلی۔49۔''

اسی طرح یہاں کے بڑے شہروں میں کئی پریس فوٹو گرافر اور اسٹوڈیوز ہیں جو ذاتی طور پر اخبارات کو تصاویر فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت کی وزارت اطلاعات ونشریات کے ادارے پریس انفارمیشن بیورو'' کے صدر دفتر اور شاخوں سے تازہ ترین واقعات کی تصویریں مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح فیچر تصاویر کے لئے حکومت ہند کے ''فوٹو ڈویژن'' سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ غیر ملکی سفارت خانوں کے پریس سیکشن سے رابطہ قائم کر کے بھی کسی ملک کی ضروری تصاویر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ آثار قدیمہ سے متعلق تصاویر کی ضرورت پڑ جائے تو آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا'' کے کسی دفتر سے گذارش کی جاسکتی ہے۔